ماہنامہ

# محدث

بنارس

سرپرست
**عبداللہ سعود بن عبدالوحید**

مدیر
**مولانا عبدالوہاب حجازی**

معاون مدیر
**مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی** — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۲۰
جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۱۰

**ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ**

**اکتوبر ۲۰۱۰ء**

## اس شمارہ میں


| | | |
|---|---|---|
| ۱- درس قرآن | عبداللہ سعود بن عبدالوحید | ۲ |
| ۲- درس حدیث | مولانا عبدالسلام مدنی | ۳ |
| ۳- افتتاحیہ | مدیر | ۴ |
| ۴- مشاعر مقدسہ میں ٹھہرنے کے آداب | مولانا عبیداللہ طیب مکی | ۶ |
| ۵- مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی... | مولانا اسعد اعظمی | ۹ |
| ۶- مساجد کا احترام اور اس کے تقاضے | مولانا عبدالمتین مدنی | ۱۷ |
| ۷- اسلامی تعلیمات اور علوم جدیدہ | مولانا عبدالمنعم النمر | ۲۰ |
| ۸- ہندومت | مولانا محمد مستقیم سلفی | ۲۴ |
| ۹- مسلم معاشرہ میں غیر مسلموں کے حقوق | حماد عبدالغفار سلفی | ۲۷ |
| ۱۰- چند ایام لکش دیپ میں | راشد حسن فضل حق مبارکپوری | ۳۰ |
| ۱۱- وہابی تحریک کی سرگرمیاں | صدیق احمد نفیس احمد | ۳۵ |
| ۱۲- گم گشتہ مربی علم وفن | سیف الرحمٰن غافر گونڈوی | ۳۹ |
| ۱۳- اخبار جامعہ | ادارہ | ۴۲ |
| ۱۴- عالم اسلام | ظل الرحمٰن سلفی | ۴۳ |
| ۱۵- باب الفتاوی | مولانا نورالہدی سلفی | ۴۴ |
| ۱۶- تنویر شریعت | فائق بندوی | ۴۸ |


**بدل اشتراک**

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

**مراسلت کا پتہ**

**دار التالیف والترجمہ**
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

**نوٹ :** ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

# حج کے بعد

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُواْ اللّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْراً فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ، وِمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، أُولَـئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُواْ وَاللّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (سورہ بقرہ:۲۰۰-۲۰۲)

پھر جب تم ارکان حج ادا کو چکو تو اللہ کا ذکر کرو، جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ، بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے، ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (یعنی کچھ لوگ صرف دنیا طلبی اور دکھاوے کے لیے حج کرتے ہیں، ان کو آخرت میں حج کا کوئی بدلہ نہیں ملے گا) اور ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ (اللہ تعالی فرماتا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن کو انہوں نے جو (حج میں) کام کیا ہے اس کا بدلہ ملے گا اور (سن لو) اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

اللہ تعالی نے مناسک حج کے بارے میں بیان کرنے کے بعد اس کے نتیجہ کا خلاصہ بھی کر دیا ہے، یہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے اور اللہ تعالی ہی حساب کرنے والا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے، ہر مسلمان اچھی امید کے ساتھ حج کرتا ہے اور حج پر جاتے وقت اس بڑے ثواب کی امید میں بہت خوش رہتا ہے، اور لاعلمی میں بہت سے وہ عمل کر بیٹھتا ہے جو حج مبرور کے منافی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا کلام اور اس کے رسول کا فرمان لفظ بلفظ سچ اور حق ہے، اللہ تعالی نے ﴿وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ﴾ ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا فرما کر پہلے سے ہی آگاہ کر دیا ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت کے روز اولین سزا پانے والوں کے بارے میں بھی بتلا دیا ہے کہ بہت بڑی نیکی کرنے کے بعد بھی دنیا طلبی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔

اللہ تعالی ہم سب مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور ہر کام سنت کے مطابق اور خلوص نیت کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق بخشے، آمین)

(ماخوذ از کتاب: حج مبرور، ص:۱۰۲ تا ۱۱۲)
از: عبداللہ سعود

☆☆☆

درس حدیث: ۱۳۸

# صلاۃ عید میں تکبیر زوائد

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

**عن كثير بن عبد الله، عن أبيه، عن جده: (أي عن عمرو بن عوف المزني الصحابي): أن النبي ﷺ كبر في العيدين في الأولى سبعا قبل القراء ة، وفي الآخرة خمسا قبل القراء ة. رواه الترمذي، وابن ماجه، والدارمي (مشكاة ج ١ ، ص ١٢٦)**

**قال في المرعاة: رواه الترمذي وحسنه ، .....، فقال النووي: لعل الترمذي اعتضد بشواهد وغيرها. (مرعاة ج ٥، ص ٥٥) وقال الألباني: ..... الحديث قوي بشواهده كثيرة. (مشكاة ج ١، ص ٤٥٣)**

**ترجمہ:** حضرت کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ صلاۃ عید کی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیر زوائد کہتے تھے، اور دوسری رکعت میں قرأت سے قبل پانچ زائد تکبیرات کہتے تھے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی۔ حدیث حسن)

**تشریح:** حدیث پاک سے عیدین کی نماز میں سات اور پانچ تکبیر زوائد کہنے کا ثبوت ہوتا ہے، علامہ ابن قدامہ ؒ طریقۂ نماز سے متعلق لکھتے ہیں: تکبیر تحریمہ (شروع میں ''اللہ اکبر'' کہنے) کے بعد دعاء ثناء پڑھے (اللهم باعد بيني – الخ. وغیرہ، یہ بہتر ہے، اور اگر تکبیر زوائد کے بعد دعاء ثناء پڑھے تو یہ بھی جائز ہے) پھر سات بار تکبیر کہے، اس کے بعد أعوذ باللہ-الخ. پڑھے، پھر قرأت کرے (سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ، مقتدی صرف سورہ فاتحہ پڑھے) اور دوسری رکعت میں قیام کے بعد ہی پانچ بار تکبیر کہے، اس کے بعد قرأت کرے۔

صلاۃ عید میں تکبیر زوائد کہنا راجح قول کی روشنی میں مستحب ہے واجب نہیں، علامہ ابن قدامہ ؒ لکھتے ہیں: "التكبيرات سنة وليست بواجبة". اور علامہ شوکانی ؒ فرماتے ہیں: والظاهر عدم الوجوب لعدم وجدان دليل يدل عليه۔ (مرعاۃ ج ۵، ص ۵۳) یعنی یہ تکبیرات سنت و مستحب ہیں، ان کے وجوب کی دلیل نہیں ہے۔ تکبیر زوائد میں رفع الیدین کے بارے میں صاحب مرعاۃ ؒ فرماتے ہیں: والحق أنه ليس في رفع اليدين – الخ. یعنی حق بات یہ ہے کہ تکبیرات عید میں رفع الیدین سے متعلق کوئی صریح مرفوع قوی یا ضعیف روایت نہیں ہے، رفع الیدین کے قائلین کی سب سے مضبوط دلیل بعض احادیث کا عموم اور اطلاق ہے، ....., حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے: كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة رفع يديه، وفي آخره: ويرفعهما في كل تكبيرة يكبرها قبل الركوع حتى تنقضي صلاته" یعنی رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے تھے، اور اسی روایت کے آخر میں ہے: اور رکوع سے قبل ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے یہاں تک کہ نماز پوری ہو جاتی تھی۔ اس روایت کے لفظ "في كل تكبيرة – الخ. کے عموم سے ''تکبیر زوائد'' میں بھی رفع الیدین کا ثبوت ہو رہا ہے۔

صاحب مرعاۃ ؒ لکھتے ہیں: میرے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا بہتر اور اولی ہے، اور جو حضرت ابن عمر ؓ کی روایت کے عموم اور اطلاق سے دلیل پکڑتے ہوئے رفع الیدین کرے، اور ایسے حضرت عمر ؓ، ان کے بیٹے عبداللہ ؓ، اور زید بن ثابت ؓ کے فعل کو دلیل بنائے تو "لا بأس به" تو کوئی حرج نہیں ہے، هذا ما عندي، والله تعالى أعلم۔ (مرعاۃ ج ۵، ص ۵۴)

رب العالمین! ہمیں کتاب وسنت کی روشنی میں دینی مسائل جاننے، پرکھنے، اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔ ☆

افتتاحیہ

# پیوستہ رہ شجر سے

روئے سخن مسلمانوں کی جانب ہے، شجر یعنی درخت سے ہماری مراد اسلام ہے، بے ملاوٹ کا کھرا اسلام، کتاب وسنت کا اسلام، آج جب کہ مسلمانوں کا چمن اجڑا اجڑا ہے، خزاں کے بگولے ڈالی ڈالی پتے پتے کو جھنجھوڑ اور جھلس رہے ہیں، سبک سر اور عقل سے عاری ہوکر ہر ڈگر پر چل کھڑے ہونا تباہی کی کھائیوں میں گرنا ہے، ایسے میں سب سے بہتر راستہ یہی ہے کہ اسلام کی جڑ سے خود کو وابستہ رکھا جائے، شاعر کا مصرعہ پورا اس طرح ہوا۔

پیوسہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بڑا افسوس ہوتا ہے اور دل سے رحم کی پھواریں اٹھتی ہیں، مسلم معاشرہ کس قدر آپسی مسائل میں الجھا ہوا ہے، باہمی چپقلش، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش، بغض وعناد حتی کہ جھگڑے لڑائیاں عنفوان شباب تک پہنچ رہی ہیں، صرف جمعہ جماعت اور عیدین کے خطبے ان مہلک بیماریوں سے شفاء کے لیے ناکافی ہورہے ہیں، یہ شرعی اعمال اجتماعی اعمال صالحہ کے متقاضی ہیں جن سے معاشرہ خالی ہوتا جارہا ہے اور مذکورہ برائیاں بند توڑ سیلاب کی طرح معاشرہ کو ڈبوتی چلی جارہی ہیں، ہم نے حالیہ دنوں کے پنچایتی الیکشن میں دیکھا، جن بوتھوں پر لڑائیاں، سر پھٹول اور لٹھ گھماؤ ہوئے سارے کے سارے مسلمان نکلے، مسلمانوں کے اس اجڈ پن اور گنوار پن پر برادران وطن کو تبصرہ کرتے بھی ہم نے سنا کہ مسلمان بڑے ظالم ہیں، ہر جگہ آپس میں لڑ رہے ہیں، یہ مظاہر مسلمانوں کے ملی احساسات کے سرد پڑنے کے غماز ہیں، گویا مسلم معاشرہ کی ادھ پکی کھچڑی کی ہانڈی بھرے چوراہوں پر پھوٹ رہی ہے، اس میں شک نہیں کہ لڑنے والوں میں کوئی مظلوم اور کوئی ظالم ہوسکتا ہے یا کسی نے زیادہ ظلم کیا ہو کسی نے کم، کوئی کم حق پر ہو کوئی اس کی نسبت سے زیادہ، یہ نسبتی فرق ہوسکتا ہے، لیکن برادرانہ صبر اور دین کے لیے صبر تو نہایت عظیم شئ ہے یا مسائل کے الجھنے پر انہیں نفس اور انا کا مسئلہ بنانے کے بجائے اہل خیر سے اس کے متعلق استفسار کیا جائے اور اس کا اجتماعی حل نکالا جائے، اسلام کی جڑ سے پیوستہ رہنے کی یہی واحد راہ ہے اور مسلمانو! امید بہار اسی میں ہے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور راہ میں۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اپنے اولین مخاطب مدنی معاشرہ کو تمام چپقلشوں اور جھگڑے لڑائیوں سے پاک رکھنے کے لیے دیکھئے کیسی کیسی جزئیات تک پر مبنی ہدایات دی ہیں، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

" عن أبي موسى رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من مر في شيء من مساجدنا، أو أسواقنا، ومعه نبل فليمسك، أو ليقبض على نصالها بكفه أن يصيب أحدا من المسلمين منها بشيء". (متفق علیہ)

ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہماری مسجدوں یا بازاروں میں سے کسی مسجد یا بازار سے گذرے اور اس کے ساتھ تیر ہو تو اسے اچھی طرح تھام لے یا اپنی ہتھیلی سے اس کا دھار دار حصہ پکڑے، مبادا کسی مسلمان کو اس سے کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

کہاں نبی کا یہ جزئیاتی اہتمام کہ مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان کو ادنی تکلیف نہ پہنچنے پائے اور کہاں ہماری خون خرابے کی افسوس ناک صورت حال، اللهم احفظنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: لا تحاسدوا، ولا تناجشوا، ولا تباغضوا ولا تدابروا، ولا يبع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله اخوانا، المسلم أخو المسلم، لا يظلمه، ولا يحقره، ولا يخذله، التقوى ههنا، ويشير إلى صدره ثلاث مرات، بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ آپس میں حسد نہ کرو، نہ خرید وفروخت میں دھوکا دو، نہ آپس میں بغض رکھو نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو، نہ کوئی دوسرے کے سودے پر سودا کرے، اللہ کے بندو! بھائیوں کی طرح بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے کم تر سمجھے نہ اسے بے سہارا چھوڑے، تقوی یہاں ہے، آپ نے تین دفعہ اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا، ایک شخص کے برا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا خون اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

الٰہی توفیق دے دے کہ ہم سب اپنے نفس کو سدھار کر اپنے میں تبدیلی لائیں، ہمارے برے حالات اچھائیوں سے بدل دے، ہم پر اپنی نظر رحمت فرما۔

☆☆☆

# مشاعر مقدسہ میں ٹھہرنے کے آداب

مولانا عبید اللہ طیب مکی

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مذہب اسلام اپنے سابقہ تمام ادیان و مذاہب کی بہ نسبت اکمل اور افضل ترین مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا ناسخ بھی ہے، یہ ایسا واحد مذہب ہے جو سارے محاسن و کمالات اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، انسانی زندگی کے حقائق، اس کے تمام مصائب و مشکلات کا مداوا اور آخرت کے سنوارنے کے تمام طریقے بتلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رب کائنات خود اس کے کامل مطلق ہونے کی شہادت دیتا ہے ﴿ اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾ (المائدۃ:۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

اگر ہم شرائع اسلام اور ان کے منافع و فوائد اور ان کی حکمتوں پر غور کریں نیز ان اعمال حسنہ اور شرائع اسلام کی ادائیگی کے صلے میں جو خالق ارض و سماء کی خوشنودی و رضا جوئی اور دنیاوی و اخروی اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے تو ہمیں ان شرائع کو مشروع قرار دینے کی حکمتیں اور فلسفے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔

حج بیت اللہ کو لے لیجئے تو اس کی مشروعیت و فرضیت کی حکمت اور فلسفہ یہ ہے کہ اس میں جو محبوب ترین اموال صرف کئے جاتے ہیں، سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر کے مکہ معظّمہ پہنچا جاتا ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اس کا محبوب بندہ بننے کی چاہت، جنت میں داخلہ کی تڑپ، بیت اللہ کی محبت و الفت اور اللہ رب العالمین کے سامنے خشوع و خضوع اور خاکساری کے اظہار کی خاطر ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کے محبوب ترین انبیاء و صلحاء کے احوال و کوائف اور واقعات کی یادیں تازہ کی جائیں، تمام مسلمانوں سے بلاتفریق رنگ و نسل شناسائی و تعارف حاصل ہو نیز مشاہداتی طور پر ایک ہی کلمہ پر متحد ہونے کا مفہوم سمجھ میں آئے۔

آج ہمارے وہ بھائی جو بیت اللہ کا سفر کر رہے ان کی سعادت قابل رشک بھی ہے اور قابل دید بھی، اور کیوں نہ ہو یہ ایک دیرینہ تمنا کی تکمیل اور عمر بھر کا سرمایہ ہے، اللہ رب العالمین ان کا سفر آسان کرے اور صحت و عافیت کے ساتھ ارکان حج ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

مکہ مکرمہ کا سفر کرنے سے پہلے ہر حاجی کو اس سرزمین کا مرتبہ و مقام معلوم ہونا چاہئے تاکہ وہ وہاں ٹھہرنے کے آداب کو ملحوظ رکھ سکے۔

مکہ امن و امان کا گہوارہ، منبع رسالت، اور بلد حرام ہے، فرمان نبوی ہے،'' هذا البلد حرمه الله يوم خلق السماوات والأرض، فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة لا يعضد شوكه ولا ينفر صيده، ولا يلتقط لقطته إلا من عرفها، ولا يختلى خلاه" (۱)

(۱) البخاری ۶/۳۰۲، ۲۰۳ فی الجہاد و فی الحج، مسلم (۱۳۵۳)

اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے ارض وسماء کی تخلیق کے دن سے حرمت والا بنایا ہے، یہ قیامت تک کے لئے حرام ہے، اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے، اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے، وہاں گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے مگر پہچان کے لئے، اور اس کی گھاس نہ کاٹی جائے، اس شہر کی عظمت کا اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں اس کو بابرکت والا شہر کہا ہے اور اس کی قسم کھائی ہے۔

مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کی بہ نسبت ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، حدیث میں ہے'' صلاة فی مسجدی هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام، وصلاة في ذلك أفضل من مائة صلاة فی هذا يعنی مسجد المدينة''(۱) میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز اس کے علاوہ مساجد کی بہ نسبت ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اس میں نماز اس کی بہ نسبت سو نماز سے افضل ہے۔

مکہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے، اور بحالت پیشاب و پاخانہ اس کا استقبال واستدبار دونوں حرام ہیں، اس میں معاصی و منکرات کے مرتکبین کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے چنانچہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے ﴿ ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم﴾ (الحج:۲۵) جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے، اس لئے تمام حجاج کرام کے لئے ضروری ہے کہ مکہ کے قیام کے دوران پابندی کے ساتھ حرم میں باجماعت نماز پنجگانہ ادا کریں، کثرت سے طواف کریں، تلاوت قرآن میں منہمک رہیں، اوراد واذکار سے رطب اللسان رہیں اور اپنے قیمتی اوقات میں سے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔

مشاعر مقدسہ میں قیام کے دوران ہر حاجی کو اتفاق واتحاد کا نمونہ بن کر رہنا چاہئے، اسلام نے امت محمدیہ کو اتفاق اتحاد کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا ہے کیونکہ کسی بھی قوم وملت کی جوہری قوت وطاقت اس کے افراد کی آپسی ہم آہنگی و یگانگت اور اختلاف وانتشار، تفرقہ بازی، آپسی چپقلش، عناد ودشمنی سے کوسوں دور رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا﴾ (آل عمران:۱۰۳) اللہ کی رسی کو تم لوگ مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ بازی کا شکار نہ ہو جاؤ۔

مشاعر مقدسہ میں قیام کے دوران ہر حاجی حسن اخلاق کا پیکر ونمونہ بن کر رہے، ایک انسان اس لئے اچھا ہے کہ وہ اخلاق کے بلند مقام پر فائز ہے، اخلاق وہ پیمانہ ہے جس کے واسطے سے شخصیات کا وزن کیا جاتا ہے، یہ وہ ذاتی جوہر ہے جس میں مقناطیسی کشش ہے جو دشمنوں اور مخالفوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، سفر کو سفر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں رفیق سفر کا اخلاقی جوہر نمایاں ہو جاتا ہے، لہذا ہر حاجی کو چاہئے کہ وہ اپنے ہمجولیوں، احباب ورفقاء سفر کے ساتھ باہمی تعاون کی فضا میں رہے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، حج مبرور وہی حج ہے جسمیں بر یعنی نیکی اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو، کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا ساز وسامان ہر چیز میں تعاون وسماجھے داری کا ماحول ہو، اپنے کسی ساتھی کی کوئی بات یا عمل گراں نہ گذرے، ضبط نفس اور انشراح صدر کے ساتھ ہر تلخی کو انگیز کرے اور پیشانی پر سلوٹیں نہ آنے دے۔ حج کا اجتماع تعاون علی البر والتقویٰ کا اجتماع ہے، یہ ایسی عبادت ہے کہ اگر

(۱) موارد الظمآن (۱۰۲۷)

شریعت مطہرۃ کی ہدایت کے مطابق مقدمات ودواعی جماع اور فسق وفجور سے دامن بچا کر پورے اخلاص، نیک نیتی اور للّٰہیت کے ساتھ کی جائے تو کرنے والا گناہ سے ایسا پاک وصاف ہوکر لوٹتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے دنیا میں بے گناہ آیا تھا۔

امام اب رجب نے متعدد تابعین کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجی کے لئے سفر حج میں تین خصلتیں ضروری ہیں (۱) پرہیز گاری جو اس کو معاصی ومنکرات سے باز رکھے۔ (۲) بردباری جو اس کو اپنے نفس پر کنٹرول رکھنے میں مدد دے۔ (۳) حسن صحبت اپنے رفقاء کے ساتھ تاکہ آپس میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو۔

حجاج کے درمیان سفر حج میں اختلاط بسہ اوقات آپسی تلخی کا سبب بننے لگتا ہے لہذا ضبط نفس کی زندگی میں سب سے زیادہ ضرورت اسی موقع پر پیش آتی ہے، اسی سفر میں اتنے نشیب وفراز سے ہر حاجی کو گذرنا پڑتا ہے کہ اس کی انسانیت، اس کے دین ہر چیز کا امتحان ہوجاتا ہے، چھوٹی چھوٹی حقیر باتوں پر دست بگریباں ہونا مسلمان کی شان نہیں ہے۔

آٹھویں ذی الحجہ (یوم الترویہ) کو حاجی جب منٰی میں خیمہ زن ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ نمازیں باجماعت پڑھے اس لئے کہ باجماعت نماز کا ثواب انفرادی نماز سے پچیس گنا یا ستائیس گنا زیادہ ہے، فضول اور دنیاوی لایعنی باتوں میں اپنے قیمتی اوقات رائگاں نہ ہونے دے، جو دعائیں یاد ہوں وہ پڑھے یا دعاؤں کی کتاب دیکھ کر پڑھتا رہے۔

نویں ذی الحجہ کو جب میدان عرفات اپنے خیمہ میں پہنچے تو زوال تک آرام کرکے تازہ دم ہوجائے، ظہر کے اول وقت میں پہلے ظہر پھر عصر کی نمازیں باجماعت ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کرے اور اس کے بعد سے غروب آفتاب تک زیادہ سے زیادہ اوراد واذکار، تلاوت قرآن وغیرہ میں مصروف رہے اس لئے کہ وہ حج کا دن ہے اور اسی کے لئے وہ وہاں گیا ہے، یہ دعا بھی خاص طور سے پڑھے ( لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهع على كل شئ قدير ) نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نویں ذی الحجہ کو سورج ڈوبنے کے بعد بغیر نماز مغرب ادا کئے پورے سکون واطمینان کے ساتھ تلبیہ پڑھتا ہوا مزدلفہ آئے، یہاں پہنچ کر مغرب وعشاء جمع کرکے پڑھے پھر باقی رات سوکر گذار دے، کنکریاں مزدلفہ سے چنے یا منی سے کوئی حرج نہیں ہے۔

دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کرکے دیر تک دعائیں کرتا رہے جب روشنی پھیل جائے تو طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہوجائے، منیٰ پہنچ کر بڑے شیطان کو کنکریاں مارے، اس سے پہلے تلبیہ بند کردے۔

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارے، اور باقی اوقات اوراد واذکار میں مصروف رہے، اگر تیرہ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرتا ہے تو اس دن بھی زوال کے بعد شیطانوں کو کنکریاں مارے، پھر مکہ پہنچ کر طواف افاضہ وسعی کرے، اس کا حج پورا ہوگا، اب باقی ایام حرم میں نمازوں اور طواف کی پابندی کرے، اور زیادہ سے زیادہ نوافل وتلاوت قرآن میں اپنے اوقات صرف کرے، کس کو معلوم کہ پھر کب آنا ہو یا یہ اس کی زندگی کا آخری حج ہو۔

مولا ہماری عبادتوں کو شرف قبولیت بخشے اور ہمارے لئے توشہ آخرت بنائے آمین۔ ☆☆☆

(۱) لطائف المعارف، ص: ۲۴۴ (۲) الترمذی (۳۵۷۹)

# مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی
# طلبہ کو ملنے والی سہولتیں

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا امتیاز صرف وہاں کے مہتمم اور اساتذہ ہی نہ تھے، بلکہ مدرسے کا پورا نظام اول تا آخر مثالی تھا، مہتمم صاحب کی شفقت اور اساتذہ کے خلوص اور محنت کے ساتھ طلبہ کی لگن اور جدوجہد بھی اپنی مثال آپ تھی، دراصل دریادل مہتمم نے طلبہ کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کر رکھی تھیں، وہ سہولیات جو آج کے جدید ترین تعلیمی ادارے پیش کرنے سے یا تو قاصر ہیں یا پیش کرتے ہیں تو اسے اپنے امتیازات میں شمار کرواتے ہیں، بہرحال طلبہ ان سہولیات کی وجہ سے پورے طور پر آسودہ رہتے تھے اور ہر قسم کے ذہنی دباؤ سے آزاد رہتے تھے، نتیجتاً وہ اپنی پوری توجہ صرف اور صرف تعلیم پر صرف کرتے تھے اور پھر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے تھے۔

**خورد ونوش کا انتظام:**

مدرسہ میں طلبہ کے کھانے پینے کا نظام بہت ہی بہتر تھا، اس میں کسی طرح کی کمی یا خرابی نہیں آنے دی جاتی تھی، کیونکہ مہتمم صاحب نے اگرچہ مدرسہ سے متعلق تمام امور کے لیے الگ ذمہ دار مقرر کر رکھے تھے مگر بنفس نفیس خود بھی ہر چیز کی وقتاً فوقتاً جانچ کرتے رہتے اور متعلقہ افراد کو تنبیہ کرتے رہتے، مطبخ کا بھی یہی معاملہ ہوتا، موصوف اکثر و بیشتر مطبخ کا چکر لگاتے تھے، کھانا کھا کر دیکھتے تھے اور اس تعلق سے تاکید کرتے کہ کسی قسم کی کمی نہیں ہونی چاہئے، مدرسہ سے وابستہ شخصیات کے تاثرات اس تعلق سے ملاحظہ ہوں:

مولانا ابو یحییٰ خاں نوشہروی رقمطراز ہیں:

''یہ دارالحدیث ۱۳۳۹ھ میں قائم ہوا، اس کے تمام مصارف صاحب مہتمم کے ذمہ ہیں، ایک عمارت جدید التعمیر ہے باڑہ ہندوراؤ میں، جس میں دارالتعلیم اور دارالاقامہ علیحدہ علیحدہ ہیں، طلبہ کے خورد ونوش کا ذمہ دار مدرسہ ہے، اور کھانا عمدہ ملتا ہے.....''۔(۱)

مولانا محمد خالد فیضی اپنے مضمون ''علم دوستی وعلما شناسی: دارالحدیث رحمانیہ کے تناظر میں'' اپنے استاذ مولانا قاری عبدالسبحان مئوی کے حوالے سے درج ذیل واقعہ ذکر کرتے ہیں:

''دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ہر طالب علم کو روزانہ ایک چھٹانک گھی دیا جاتا تھا، ایک بار متولی صاحب کو منشی جی نے

(۱) تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۱۷۳، حاشیہ نمبر (۲)

کہا کہ شیخ صاحب گھی بازار میں مہنگا ہوگیا، آپ نے پوچھا پھر؟ منشی جی نے کہا میری رائے ہے کہ طلبہ کو دیا جانے والا گھی کی مقدار کم کردی جائے تاکہ بجٹ نہ بڑھے، شیخ صاحب سن کر تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر سوال کیا گھی کیا بھاؤ بک رہا ہے؟ بھاؤ بتایا گیا، نہایت برجستگی سے شیخ صاحب نے حکم صادر فرمایا کہ آج سے فی کس دو چھٹا نک گھی دو، مبادا قیامت کے دن اللہ تعالی یہ کہہ کر میرا مواخذہ کرلے کہ تو نے بھاؤ بڑھنے کی وجہ سے دستور سابق کو برقرار نہ رکھا، کیونکہ بازار کا نرخ تیری دولت کے حق میں بہتر نہ تھا۔ اگر میری خوشنودی مطلوب ہوتی تو مقدار زیادہ کردیتا۔ رقت آمیز لہجے میں منشی جی سے کہا کہ آج سے دو چھٹا نک فی کس گھی جاری کردیا جائے، گھی اگر مہنگا ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کا بھاؤ گرنہیں گیا ہے''۔(۱)

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، اسی مضمون کے آخر میں مہتمم صاحب کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

''یہ ہیں امیر کبیر حضرت شیخ عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ متولی ''دارالحدیث رحمانیہ دہلی'' جنہوں نے اپنی دولت اشاعت علم دین کے لیے وقف فرمائی تھی، آپ کی ایک قابل تحسین وتقلید عادت یہ تھی کہ طلبہ کے کھانے کے بعد مطعم پہنچتے، پیشانی پہ چمک، آنکھوں میں اشتیاق اور ہاتھوں میں پلیٹ لیے ہوتے پھر بہت احتیاط سے مطعم میں گھوم گھوم کر وہ چاول یا روٹی کے ٹکڑے چنتے جو طلبا سے کھاتے وقت غیر شعور طور پر گر جاتے تھے اور اپنی شاہانہ گدی پر بیٹھ کر بڑے شوق سے تناول فرماتے۔ کئی بار لوگوں نے پوچھا یہ کیا کرتے ہیں؟ ایک دن انہوں نے انتہائی باوقار انداز میں کہا کہ یہ کھانا ان لوگوں کا چھوڑا ہوا ہے جو قال اللہ وقال الرسول کہتے ہیں، جن کے لیے فرشتے پر بچھاتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ میں اس لالچ میں یہ سب کرتا ہوں کہ شاید اللہ مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ حشر میں جمع فرمادے، میرا حشر بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوجائے''۔(۲)

یادگار مجلّہ اہل حدیث میں دارالحدیث رحمانیہ کے تعارف میں یہ تحریر ہے:

''.....طلبہ کو عمدہ سے عمدہ کھانا دیا جاتا تھا، مہتمم مدرسہ روزانہ باورچی خانہ کا معائنہ کرکے برابر ہدایت کرتے رہتے تھے .....''۔(۳)

## مہتمم صاحب کے دولت خانہ پر طلبہ واساتذہ کی دعوتیں:

مدرسہ کے مطبخ کے مثالی کھانے کے انتظام کے ساتھ ہی مہتمم موصوف ادارہ کے جملہ طلبہ واساتذہ کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر مدعو کرتے اور لذیذ وپرتکلف کھانوں سے ان کی تواضع کرتے، اس موقع پر گھر کے تمام افراد علماء ومتعلمین کی خدمت میں لگے رہتے اور اسے باعث شرف تصور کرتے۔

مدرسہ میں متعلم پھر مدرس رہ چکے مولانا عبدالرؤف رحمانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

(۱) مجلّہ طوبی: دسمبر ۲۰۰۹ء، ص: ۲۸۔ (۲) ایضاً، ص: ۲۹۔
(۳) یادگار مجلّہ اہل حدیث، ص: ۳۰۱۔

''دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا حسن انتظام اب تک لوگوں کو یاد ہے، ہر ماہ تمام طلبہ کی نفیس و پر تکلف دعوت ناظم رحمانیہ اپنے دولت کدہ پر کیا کرتے تھے، ہر ہفتہ علماء و مدرسین کی دعوت بہت ہی لذیذ و نفیس کھانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی.....''۔(۱)

مولانا محمد صاحب جونا گڈھی مدرسہ رحمانیہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کی وفات کے بعد ایک مضمون میں ان کے خلف شیخ عبدالوہاب صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرحوم (شیخ عطاء الرحمٰن) کی عادت کے مطابق (شیخ عبدالوہاب) میری اور جملہ مدرسین رحمانیہ کی دعوت ہر جمعہ کی شام کو اپنی کوٹھی پر کرتے ہیں، موٹریں آتی ہیں اور مدرسین کرام کو بعزت لے جاتی ہیں اور وہاں خدا کی دی ہوئی ہمہ قسم کی نعمتیں تناول فرما کر واپس پہنچا جاتی ہیں.....''۔(۲)

واضح رہے کہ طلبہ کی دعوت کا پروگرام محض اکل و شرب اور تفریح تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ہی مختلف علمی و تربیتی پروگرام بھی منعقد ہوتے تھے جن کے بعد مہتمم صاحب کی طرف سے طلبہ پر نقد انعام کی بھی بارش ہوتی تھی، ملاحظہ ہو ایک بار پھر قاری عبدالسبحان صاحب مئوی کا بیان:

''دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں طلبہ و اساتذہ کی باقاعدہ ضیافت ہوتی تھی، میزبانی بول کر میزبانی ہوتی تھی اور میزبان خود متولی صاحب ہوتے تھے، دلی کے بہت سارے اغنیاء و اثریاء گربۂ مسکین بن کر متولی صاحب کے پاس اس نیت کے ساتھ آتے کہ آج ہم مہمانان رسول کی میزبانی کا شرف حاصل کریں گے، ان کی دعوت کریں گے، شیخ صاحب سے ملتے، بڑی انکساری کے ساتھ اپنی بات رکھتے کہ آپ سے بہتر ہم کیا خدمت کر سکیں گے اور آپ جیسی توجہ ہم کہاں دے سکیں گے، مگر پھر بھی آپ سے گزارش ہے کہ آج طلبہ و اساتذہ کو اجازت دیں کہ ہمارے غریب خانہ کی رونق بڑھائیں اور ماحضر تناول فرمائیں، ایک جگہ رہتے رہتے اور کھاتے پیتے طبیعت اکتا جاتی ہوگی، اس لیے منھ کا مزہ بدلنے کے لیے نہ سہی، آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے، اے کاش! آپ یہ اجازت مرحمت فرماتے! متولی صاحب گزارش سننے کے بعد چند لمحہ خاموش رہتے پھر کہتے، ہاں آپ نے تبدیلی آب و ہوا کی بڑی اچھی بات سمجھائی، نشاط و انبساط کے لیے یہ بڑی لازمی چیز ہے۔ ہاں آج مدرسہ میں یہ اعلان کر دو کہ جنگل والی کوٹھی میں اساتذہ و طلبہ کی ضیافت ہوگی۔ پھر اپنی کار سے اساتذہ و طلبہ کو مدرسہ سے وہاں پہنچاتے، کھانا پانی دعوت تو بہانہ ہوتا وہاں پہنچ کر قسم قسم کے رنگ برنگ کے پروگرام اساتذہ و طلبہ منعقد کرتے، اور اول آنے والے طالب علم متولی صاحب سے نقد انعام پاتے۔ تجوید میں اول آنے والے کو انعام، حفظ قرآن میں اول آنے والے کو انعام، حفظ احادیث میں امتیاز رکھنے والے کو انعام، تقریر دلپذیر پر انعام، تحریر دلنشیں پر انعام، مکالمہ، مباحثہ و مناظرہ پر انعام، کھیل کود میں نمایاں رہنے والے کو انعام۔ پس جس دن جنگل والی کوٹھی پر دعوت ہوتی سمجھ لو آج متولی صاحب سخاوت کی بدلی بن کر چھائیں گے اور انعام کی بارش برسائیں گے''۔(۳)

(۱) ماہنامہ محدث، بنارس: اگست ۱۹۹۲ء، ص:۱۶۔ (۲) اخبار محمدی، دہلی: یکم جولائی ۱۹۳۸ء، ص:۱۱۔ (۳) مجلّہ طوبیٰ، دسمبر ۲۰۰۹ء ص:۲۸-۲۹۔

رمضان وغیرہ کی چھٹیوں میں جو طلبہ گھر نہ جاتے اور مدرسہ ہی میں مقیم رہتے ان کے خورد ونوش کے ساتھ ان کی دیگر ضروریات کے لیے کچھ نقد بھی فراہم کیا جاتا تھا، اور عید کے دن عیدی سے بھی نوازا جاتا، ملاحظہ ہو اخبار محمدی دہلی کی ایک رپورٹ:

''دہلی کے اس مدرسے میں امسال جن طلبہ نے رمضان شریف گذارا انہیں دونوں وقت کا طعام اور افطاری کے علاوہ دس دس روپئے نقد دیئے گئے، پھر عید کے دن دو دو روپے اور مٹھائیاں دی گئیں، ملازمین مدرسہ بھی اس انعام عید سے محروم نہیں رہے...''۔(۱)

## سیر وتفریح:

سیاحتی مقامات کی سیر کا تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم طلبہ کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے، جس کے لیے بعض بعض اسکولوں میں لمبی لمبی رقمیں جمع کرائی جاتی ہیں، آج سے تقریبا ایک صدی قبل دارالحدیث رحمانیہ کے باذوق مہتمم اپنے مدرسہ کے طلبہ کو دہلی کے بعض مشہور مقامات کی سیر کے لیے لے جاتے تھے، وہاں ان کے کھانے پینے کے مکمل انتظام کے ساتھ ساتھ ان کو کچھ نقد بھی دیتے تھے تاکہ انہیں اپنے من پسند کی کسی چیز خریدنی ہو تو محرومی کا احساس نہ ہو، اخبار محمدی لکھتا ہے:

''مدرسہ رحمانیہ کے طلبہ کی سیر قطب:

..... بذریعہ موٹر لاریوں کے (طلبہ کو) قطب بھیجا، بدھ کے دن دوپہر کو یہ گئے، رات کو وہیں رہے، دن بھی وہیں گزارا، دونوں وقت دہلی کے باورچی سے بہترین کھانے پکوا کر کھلائے، اور سرولی کے بڑھیا آم شکم سیر ہو کر کھلائے، جاتے ہوئے ہر ایک کو دھلے دھلائے نئے پیسے آٹھ آٹھ آنے کے دیے تاکہ وہ اپنی من مانی چیز خرید سکیں.....''۔(۲)

خطیب الہند مولانا عبدالرؤف رحمانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''.....سال میں دو مرتبہ اوکھلا یا قطب لاٹ کی طرف سیر کرائی جاتی تھی، متعدد بسوں اور لاریوں پر طلبہ اور کھانے کے جملہ تمام پکے پکائے ہنڈے پہنچتے تھے، اور وہاں سیر وتفریح کے بعد گرم گرم اور تازہ ونفیس کھانے کھانے کو ملتے تھے.....''۔(۳)

## ورزش:

مدرسہ میں طلبہ کے لیے ورزش اور کھیل کود کا بھی ادارہ کی طرف سے معقول انتظام تھا، اس کے لیے باقاعدہ ایک جانکار اور تجربہ کار فرد کا تقرر ہوتا تھا۔

مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''جس زمانہ میں میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں زیر تعلیم تھا (۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۹ء) اس کے مہتمم جناب شیخ عطاء الرحمٰن مرحوم نے فن سپہ گری اور بنوٹ کے لیے باقاعدہ ایک استاذ کا انتظام کر رکھا تھا جو جماعت مجاہدین کی یادگار تھے اور بعد نماز عصر

(۱) اخبار محمدی، دہلی: یکم دسمبر ۱۹۳۸ء = ۸/شوال ۱۳۵۷ھ ص:۲۔ (۲) ایضا: ۱۵/جولائی ۱۹۳۹ء ص:۲۔
(۳) ماہنامہ محدث، بنارس: اگست ۱۹۹۲ء، ص:۱۶-۱۷۔

طلبہ کو دارالحدیث کے وسیع ہال میں بنوٹ وغیرہ کی عملی تعلیم دیتے تھے''۔(۱)

مولانا عبدالرؤف رحمانی کچھ اور تفصیل ذکر کرتے ہیں:

''لڑکوں کی سیر وتفریح اور ورزشی کھیل کے بعد بادام کا شربت برف آلود پیش کیا جاتا تھا، طبعا کھیل کی مجلسوں میں میں شریک نہیں ہوتا تھا، لیکن ایک دو بار شرکت کا اتفاق ہوا، اور میں نے بھی کبڈی مدرسہ کے صحن میں کھیلا ہے اور میں نے بھی ایک دو بار شربت پیا ہے''۔(۲)

اخبار محمدی کی ایک خبر میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ مہتمم صاحب بنوٹ کے اچھے کھلاڑیوں کو نیکر اور بنیائن بھی خرید دیتے تھے، نیز تعلیمی وتربیتی میدان میں آگے رہنے والے طلبہ کی طرح اس میدان کے طلبہ کو بھی انعام واکرام سے نوازا کرتے تھے۔

**لباس وبستر:**

مولانا عبدالرؤف رحمانی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''.....اوڑھنے بچھانے کے لیے گدا اور چادر ولحاف ملتا تھا، جاڑے کے موسم میں ٹرکوں پر لڑکوں کے لیے اونی سوئٹر اور اونی کوٹ اور تمام قسم کے کمبل اور نئے نئے لحاف وگدے آتے تھے..''۔(۳)

والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''.....اساتذہ وطلبہ کو تشجیعی آسائشیں اور سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں، مثلا موسم سرما میں ہر طالب علم کو لحاف اور گدے دیے جاتے تھے، کبھی کبھار تفریحی مقامات کی سیر کرائی جاتی، موسم کے لحاظ سے میووں وپھلوں سے تواضع کی جاتی، عیدالاضحیٰ کے موقع پر عیدی دی جاتی اور مہتمم صاحب کے گھر سے اسپیشل کھانے بھیجے جاتے، کسی دوسرے کی دعوت قبول کرنے کی اجازت نہیں تھی، یہ مدرسہ طلبہ واساتذہ کی ضروریات وسہولیات کے معاملے میں اس حد تک خود کفیل تھا کہ طلبہ کے کھیل کود کے لیے اس کے پاس مدرسہ سے متصل اپنا ایک میدان تھا جو صرف طلبہ کے کھیل کود کے لیے خاص تھا، ان کو ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی''۔(۴)

**سفرخرچ:**

مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ میں سے اگر کسی کے پاس چھٹیوں میں گھر جانے کے لیے سفرخرچ نہ ہوتا تو مہتمم صاحب ایسے طلبہ کو اپنی جانب سے سفرخرچ بھی دیتے تھے، ہندستان کے باہر کے طلبہ بھی مدرسہ میں پڑھتے تھے، بوقت ضرورت انہیں بھی سفرخرچ فراہم کیا جاتا تھا۔

اخبار محمدی میں شائع ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

---

(۱) مقدمہ کتاب اہل حدیث اور سیاست، ص:۱۰۔ (۲) ماہنامہ محدث بنارس: اگست ۱۹۹۲ء ص:۱۷-۱۸۔

(۳) ایضا۔ (۴) ماہنامہ محدث، بنارس: ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء ص:۶۸۔

''مدرسہ رحمانیہ میں چھٹی ہوگئی، جو نادار طلبہ اپنے گھر اپنے خرچ سے نہ جا سکتے تھے، انہیں فیاض دل مہتمم صاحب نے پورا خرچ دے کران کے ماں باپ سے ملنے کے لیے بھیج دیا ہے......''۔(۱)

اخبار مذکور ہی کے ایک شمارے میں مدرسہ کے سالانہ امتحانات کے بعد تقسیم اسناد وانعامات وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

''......ایک نجدی طالب علم کو (بھی) دورہ کی سند ملی اور ساٹھ روپئے سفر خرچ کے......''۔(۲)

**کچھ دیگر انتظامات:**

مذکورہ بالا سہولیات کے علاوہ طلبہ کو کچھ اور سہولتیں بھی فراہم تھیں، چنانچہ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی علیہ الرحمۃ جو اس مدرسہ کے طالب علم اور پھر مدرس رہ چکے ہیں، لکھتے ہیں:

''......جناب حاجی (عبدالرحمٰن) صاحب مرحوم کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالستار صاحب نے اپنی توجہ مدرسہ کی جانب مبذول کی اور اس کام میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا لیکن افسوس کہ آپ بھی عالم شباب میں وفات پا گئے، والدہ صاحبہ حاجی صاحب مرحوم کو اپنے دور حیات میں مدرسہ سے خاص دلچسپی تھی، طلبہ کے آرام وآسائش کے لیے آپ ہی نے برقی روشنی اور بجلی کے پنکھوں کا انتظام کیا......''۔(۳)

واضح رہے کہ بجلی کی روشنی اور پنکھوں کی یہ بات تقریبا ایک صدی قبل کی ہے، جب کہ بیشتر مقامات پر اس کا تصور بھی نہ رہا ہوگا، اور جہاں رہا ہوگا صرف خواص ہی اس سے مستفید ہوتے رہے ہوں گے، مگر ادارہ کے ذمہ داران نے طالبان علوم نبوت کی راحت کے لیے اس کا انتظام کر رکھا تھا۔

ایک اور انتظام کی طرف اخبار محمدی توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے:

''صحت وصفائی اور تربیت کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی طرف سے ایک نائی مقرر تھا جو ہر جمعرات کو آکر طلبہ کے خط بنا جاتا تھا، اگر کوئی طالب علم خط بنانے میں شریعت کی خلاف ورزی کرتا تو دونوں پر جرمانہ عائد کیا جاتا تھا......''۔(۴)

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی علیہ الرحمۃ ۱۹۳۳ء میں رحمانیہ میں اپنی طالب علمی کے دور میں اس مدرسہ کے تعارف پر مشتمل اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''......اس دارالحدیث کی خصوصیات بہت ہیں، جسمانی آرام کے سلسلے میں خوراک ولباس کا خیال تو ضروری چیز ہے، اور بجلی کا پنکھا گرمیوں میں تو رحمانی نعمت ہے، روحانی آرام اس طرح پر ہے کہ قابل اور لائق مدرسین اپنی اعلی اور عمدہ تقاریر سے طلبہ کو خوش رکھتے ہیں، کتابیں مدرسہ سے دی جاتی ہیں، اخبارات ورسائل روزانہ، ہفتہ واری دور دور سے آتے ہیں، مصری

(۱) اخبار محمدی، دہلی: یکم نومبر ۱۹۳۸ء = ۷/رمضان ۱۳۵۷ھ ص:۲۔ (۲) ایضا: ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۸ء ص:۱۴-۱۵۔

(۳) الاعتصام، لاہور: ۱۲/اگست ۱۹۹۴ء ص:۲۱۔ (۴) یادگار مجلہ اہل حدیث، ص:۳۰۱، بحوالہ اخبار محمدی: ۱۵/ستمبر ۱۹۳۸ء۔

اخبارات ورسائل بھی برابر آتے ہیں، وعظ وتقریر کے لیے عمدہ انتظام ہے، عربی تقریریں پانچویں سے لے آٹھویں تک برابر ہوتی ہیں اور اردو تقاریر اولی سے لے کر چوتھی تک طلبہ کرتے ہیں، پانچ روپئے سے لے کر لڑکوں کو پچاس پچاس روپئے انعام ملتے ہیں...درسگاہوں کا فرش عمدہ ہوتا ہے اور اساتذہ کے لیے قالین غالیچہ بچھایا جاتا ہے.....''۔(۱)

**سہولیات کا اثر اور نتیجہ:**

طلبہ کو فراہم کی جانے والی یہ سہولیات ان کو ہر طرح سے بے فکر ہو کر تعلیم میں لگے رہنے کے لیے ہی دی جاتی تھیں، اور ان سہولیات کی فراہمی کے بعد ان سے تعلیم کے میدان میں خاطر خواہ محنت لی جاتی تھی اور ان کو خوب صیقل کر دیا جاتا تھا، ان سے کسی طرح کی دینی واخلاقی کمزوری کو برداشت نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ تربیتی اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی گرفت کی جاتی تھی اور بوقت ضرورت سزا دی جاتی تھی، اور ''آخر الدواء الکی'' کے تحت انہیں مدرسہ سے خارج بھی کیا جاتا تھا۔

والد صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس مدرسہ کا بنیادی نصب العین یہ تھا کہ اس کا فیض یافتہ سچا پکا عالم دین ہو، علم وعمل میں اتنی صلاحیت واہلیت کا مالک ہو کہ جس علمی میدان میں عملی زندگی اختیار کرے اس میں خود اعتمادی کے ساتھ کامیاب رہے، چنانچہ یہ وصف اس کے فضلاء میں موجود ہوتا تھا، اس مقصد کے لیے تعلیم وتربیت کا سخت نظام نافذ تھا، اس پر عمل میں کوئی ادنی کوتاہی یا لاپروائی ناقابل برداشت ہوتی تھی، چونکہ یہ مدرسہ شخصی تھا اس لیے کسی معاملے میں دوسروں کی مداخلت کا کوئی تصور نہیں تھا، اس سخت معیاری تعلیم کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ طلبہ وفارغین کی کثرت وقلت اس کے معیار کو کسی طرح متاثر نہیں کرتی تھی، اصل چیز کیفیت ہوتی تھی، کمیت نہیں، یہی وجہ تھی کہ درجات علیا تک پہنچتے پہنچتے طلبہ کی تعداد بہت قلیل ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ بعض دفعہ سنۃ الشہادۃ میں ایک یا دو طلبہ باقی رہ جاتے تھے.....''۔(۲)

مولانا عبدالرؤف رحمانی لکھتے ہیں:

''.....میاں صاحب نے تعلیمی نظام کو بڑا ہی چوکس کر رکھا تھا، پابندی، وضع قطع کا بڑا لحاظ تھا، نمازوں کی پابندی کے لیے حاضری لگی ہوئی تھی، تعلیم وتربیت کے بہترین مواقع نصیب تھے.....''۔(۳)

جناب فاروق اعظمی صاحب مہتمم مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.....طلبہ واساتذہ کے خورد ونوش اور رہائش کا بہترین انتظام فرماتے تھے، غریب ویتیم اور مسکین طلبہ کے ساتھ خصوصی محبت سے پیش آتے تھے اور ان کو مختلف مراعات بہم پہنچاتے تھے، جاڑے کے زمانے میں گاوی تکیہ اور دو دو لحاف ایک طالب علم کو دیے جاتے تھے، مختلف قسم کے تحائف، انعامات اور سہولیات سے ان کو اس طرح نوازا جاتا کہ وہ ہر طرح کی فکروں سے آزاد ہو کر

(۱) اخبار محمدی دہلی: یکم ستمبر ۱۹۳۳ء، ص:۶۔ (۲) ماہنامہ محدث بنارس: ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء، ص:۶۸۔

(۳) ماہنامہ محدث بنارس، اگست ۱۹۹۲ء، ص:۱۶-۱۸۔

صرف مدرسہ رحمانیہ کے ہوکر رہ جاتے اور پوری دلجمعی اور ذہنی یکسوئی سے علم حاصل کرتے، یہی وجہ ہے کہ دارالحدیث رحمانیہ نظم ونسق، درس وتدریس، تعلیم وتربیت کا ایسا مینار بن گیا تھا جس کی ضیاپاشی سے شرق وغرب اور شمال وجنوب سبھی جگمگا رہے تھے''۔(۱)

اعظمی صاحب آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مدرسہ میں پڑھنے اور پڑھانے کا ایسا ماحول اور مزاج بنا ہوا تھا کہ طلبہ اور اساتذہ کو دوسرے مشاغل کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہ تھی اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت تھی، حتی کہ دینی وتبلیغی اجلاس واجتماعات میں بھی دونوں کی شرکت (باستثناء چند مخصوص حالات) سخت ممنوع تھی، نہ کسی استاذ کو اجازت تھی کہ وہ کسی جلسہ یا کانفرنس کی دعوت قبول کرے اور نہ ہی طلبہ کو ایسے اجتماعات میں جانے دیا جاتا تھا، اس میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔ اول یہ کہ طلبہ کا درس متاثر نہ ہو۔ عموما اجلاس میں شرکت کی تیاری، پھر سفر سے واپسی کے بعد تکان سفر اور اجلاس کا خمار باقی رہنا ایک فطری امر ہے جس سے فرائض منصبی کی ادائیگی میں فرق آتا ہے، اس نقصان سے لڑکے محفوظ رہتے تھے، دوسرے یہ کہ اجلاس میں اعزاز واکرام اور مالی منفعت کے مقابلہ میں وہ اپنے موجودہ پیشہ کو کمتر اور ہیچ نہ سمجھنے لگیں، تیسرے یہ کہ تدریسی اسٹاف کے درمیان رقابت اور حسد نہ پیدا ہو اور کوئی یہ کہنے یا سوچنے پر نہ مجبور ہو کہ فلاں صاحب مزے سے تقریریں کرتے پھر رہے ہیں اور اپنا ٹی اے، ڈی اے بنا رہے ہیں اور ہم یہاں مدرسہ میں سڑ رہے ہیں، چوتھے یہ کہ اساتذہ پوری دلجمعی اور ذہنی یکسوئی سے اپنے سبق کی تیاری کے بعد کلاس میں جائیں، اسی طرح طلبہ کی شرکت بھی اس لیے ممنوع تھی کہ اجلاس میں شب بیداری کی وجہ سے صبح سبق میں جی نہیں لگے گا، یہ بھی ممکن ہے کہ اجلاس میں شرکت کے بہانے کچھ لڑکے کھیل تماشے یا سینما دیکھنے چلے جائیں اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہوں، یہ چند چیزیں اگرچہ بظاہر بڑی معمولی اور ہلکی معلوم ہوتی ہیں مگر ایک ادارہ کی زندگی میں بڑی اہم ہیں، اس سے ادارہ کی ڈسپلن، تعلیمی معیار، تدریسی مشن اور اس کے تنظیمی امور کا اندازہ ہوتا ہے۔

جس زمانہ میں جامعہ رحمانیہ سراج منیر کی طرح علم کی ضیاپاشی کررہا تھا پورے ملک میں سیاست کی تند وتیز آندھیاں چل رہی تھیں، تحریک آزادی پورے شباب پر تھی، ہر طرف تحریکوں اور تہلکوں کا بازار گرم تھا، دلی جو تمام ہندستان کا دل تھا دانایان سیاست اور ارباب حکومت کی سیاسی سرگرمیوں کا نشیمن بنا ہوا تھا، جلسے جلوس، تحریکیں، ہڑتالیں اور گھن گرج تقریریں یہاں کے گلی کوچوں کا معمول تھا، بڑے بڑے دانائے روزگار نے جن کی ایک آواز پر پورا ہندوستان اٹھتا بیٹھتا تھا، یہاں کی گلیوں اور بازاروں کو اپنے سیاسی نظریات کی تبلیغ واشاعت کے لیے جولانگاہ بنا رکھا تھا، یہ وہ دور تھا جب ملک کے بٹوارے کا انتہائی نازک اور حساس مسئلہ ہر ایک ہندوستانی کے دل میں کچھ نہ کچھ نرم گرم گوشے رکھتا تھا، لیکن اس پرآشوب دور میں بھی جامعہ رحمانیہ کا علمی قلعہ ہر طرح کے خارجی اثرات سے محفوظ تھا، کسی کو سیاسی جلسوں میں شرکت کی اجازت نہ تھی نہ کسی قسم کی سیاسی گفتگو کی، طلبہ واساتذہ کے قلب ونظر کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا گیا تھا کہ وہ باہر کے سیاسی ہنگاموں سے بے نیاز ہوکر اپنے مقصد کے حصول میں ہمہ تن مشغول تھے''۔(۲)

☆☆☆

(۱) ماہنامہ محدث، بنارس، اکتوبر ۱۹۸۴ء ص: ۲۲۔ (۲) ماہنامہ محدث، بنارس، اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص: ۲۴-۲۵۔

# مساجد کا احترام اور اس کے تقاضے

مولانا عبدالمتین مدنی

مساجد اسلامی معاشرہ کی شناخت اور پہچان ہیں اور مساجد کی عظمت اور ان کا احترام ہر مسلمان کے دل میں ہے، اس لئے مساجد کے تئیں ہمارا عمل ایسا ہونا چاہئے جس سے ان کا احترام ملحوظ اور ان کی عظمت قائم رہے اور کوئی عمل شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسا سرزد نہ ہو جائے کہ دل میں مساجد کا احترام رکھنے کے باوجود عملاً ہم ان کی بے حرمتی کے مرتکب ہو جائیں۔

مساجد کی تعمیر ایک اسلامی فریضہ ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه﴾ (نور:۳۶) ایسے گھروں میں جن کے بلند کرنے (قائم رکھنے) کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی محلّہ میں مساجد قائم کرنے کا حکم دیا ہے: "أمرنا رسول الله ﷺ ببناء المساجد في الدور وان تنظف وتطيب" (ترمذی، ابوداود) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور انہیں صاف اور معطر رکھا جائے۔

نیز آپ ﷺ نے اس بات کا بھی حکم دیا مسجدوں کو سادہ بنایا جائے، ایسا نقش ونگار اور رنگ وروغن سے مساجد کو آراستہ نہ کیا جائے، جو جاذب نظر ہو اور جس سے نمازی کے نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "ما أمرت بتشييد المساجد" (ابوداود) میں مسجدوں کو آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہوں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے اپنے کمرہ کے ایک جانب نقش ونگار والا پردہ لٹکا رکھا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا: "اميطي عنا قرامك هذا فانه لا يزال تصاويره تعرض لي في صلاتي" اپنا ہر پردہ مجھ سے دور کردو، اس لئے کہ اس کے نقوش برابر میری نماز میں سامنے آتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح مسجد کی تعمیر سادہ ہو اسی طرح اس کا فرش، چٹائیاں اور پردے بھی سادہ ہوں اور یہی مساجد کی شان اور احترام کا تقاضا ہے کہ اس سلسلہ میں وارد احکام پر عمل کیا جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد" (ابوداود، نسائی) قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں کی تعمیر وتزئین کے سلسلہ میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت کی منشا کی خلاف ورزی مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں نہ ہو، اگر چہ بعض ادوار حکومت میں مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ان احکام کا لحاظ کم کیا گیا ہے، اسی لئے بعض مسجدیں اپنی انوکھی اور عالیشان فن تعمیر کی وجہ سے ضرب المثل بن گئی ہیں مگر ہمارے لئے کسی حکمراں کا عمل نمونہ اور حجت نہیں ہے، دین تو قال اللہ وقال الرسول کا نام ہے۔

مساجد کے احترام کا تقاضا یہ بھی ہے کہ نظامت وصفائی اختیار کر کے مسجد میں آیا جائے، قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿يا بني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (اعراف:۳۱) اے اولاد آدم مسجد میں آنے کے وقت زینت اختیار کرلو یعنی صاف ستھرا لباس پہن لو۔ اور ہر ایسی چیز جو مسجد کی فضا کو مکدر کردے اس کو استعمال کر کے یا اس حالت میں مسجد میں آنے سے پرہیز کیا جائے، کچا لہسن، کچی پیاز، بدبودار پسینہ، بدبودار زخم، تمباکو کی بدبو کے ساتھ مسجد میں آنا مسجد کی بے حرمتی، شریعت کے حکم

کی خلاف ورزی اور نمازیوں وفرشتوں کو اذیت پہنچانا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: " من أكل البصل والثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم" (مسلم) جس نے لہسن اور پیاز کھایا وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لئے کہ فرشتے بھی اس سے اذیت محسوس کرتے ہیں جس سے انسان اذیت محسوس کرتے ہیں۔

مسجدیں عبادت گاہ ہیں، پارک یا کھیل کا میدان نہیں ہیں، اس لئے ایسے کم عمر شریر بچوں کو مسجدوں میں لانا جو مسجد اور نماز کے احترام کو ملحوظ نہ رکھیں، مسجد کی نظافت کے لئے بھی خطرہ بنیں اور نمازی ودوسرے عبادت گزاروں کے لئے خلل واذیت کا باعث بنیں، ان کے لانے سے پرہیز کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان کا مسجد میں لانا بھی مسجد کی بے حرمتی کا باعث ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "جنبوا المساجد صبيانكم ومجانينكم" (ابن ماجہ) اپنے بچوں اور ان لوگوں کو جن کا دماغی توازن درست نہیں مسجدوں سے دور رکھو۔

اور علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے: "كان عمر اذا رأى صبيانا يلعبون في المسجد ضربهم بالمخفقة" حضرت عمر جب مسجد میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان کو کوڑے سے مارتے۔

مسجد کے احترام کا یہ بھی تقاضا ہے کہ مسجد میں آنے کو ہم عبادت سمجھیں، گھر سے وضو بنا کر اطمینان وسکون کے ساتھ چلتے ہوئے مسجد میں آئیں، اس ڈر سے کہ کہیں تکبیر تحریمہ نہ چھوٹ جائے یا جماعت ہی فوت نہ ہو جائے، دوڑتے ہوئے آنے سے منع کر دیا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "اذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها وأنتم تسعون، ولكن ائتوها وأنتم تمشون فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا" (متفق علیہ) جب نماز قائم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے مسجد میں مت آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ، جو رکعت امام کے ساتھ ملے اسے پڑھ لو اور جو فوت ہوا سے پوری کر لو۔

ایک شخص جب مسجد میں داخل ہو تو داخل ہونے کی دعا "بسم الله والسلام على رسول الله اللهم اغفر لى ذنوبى وافتح لى أبواب رحمتك" پڑھے۔ (ابن ماجہ) اور بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز جسے تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے ادا کرے، اگر وہ بیٹھ بھی گیا اور جماعت قائم ہونے میں اتنا وقت ہے کہ وہ اٹھ کر یہ نماز ادا کر سکتا ہے تو ادا کر لے، فرمان نبوی ہے: "اذا أتى أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين" (ترمذی) جب تم میں کا کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز ادا کر لے۔

یہ نماز نماز کے مکروہ اوقات میں بھی مشروع ہے، اس لئے کہ یہ سببی نماز ہے، طواف اور گرہن کی نماز کی طرح۔

اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے: بسم الله والسلام على رسول الله اللهم اغفر لي ذنوبي وافتح لي أبواب فضلك.

اسی طرح مسجد میں قیام کے دوران وہ اس کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھے، کوئی ایسا عمل نہ کرے جو اس کے احترام کے خلاف ہو، شعر وشاعری سے بھی پرہیز کرے الا یہ کہ حمد ونعت، دینی اشعار اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، صحابی رسول کہتے ہیں: "نهى رسول الله ﷺ عن تناشد الأشعار في المسجد" (ترمذی) اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد میں اشعار کے پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے: "مر عمر بحسان ينشد في المسجد فلحظ اليه فقال انشد فيه من

هو خير منك" (متفق علیہ) حضرت عمر کا گذر حضرت حسان کے پاس سے ہوا جو مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمر نے ان کو گھور کر دیکھا، حضرت حسان نے کہا میں مسجد میں اشعار پڑھتا تھا اس ذات کی موجودگی میں جو آپ سے بہتر تھی۔

کاروبار یا کاروباری گفتگو بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے کہ مسجد عبادت اور ذکر واذکار کی جگہ ہے، فرمان نبوی ہے: "اذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا لا أربح الله تجارتك" (نسائی) جب تم مسجد میں کسی شخص کو بیع وشراء کرتے ہوئے دیکھو تو یہ دعا کرو کہ اللہ تمہاری تجارت میں فائدہ نہ دے۔ گویا ایسا کرنے والا اہل ایمان کی بددعا کا مستحق ہے، چاہے اس طرح کی گفتگو بالمشافہ ہو یا جدید وسائل موبائل وغیرہ کے ذریعہ۔

اسی طرح گمشدہ چیزوں کا اعلان بھی مسجد کے ادب واحترام کے خلاف ہے، ہاں اگر کوئی چیز مسجد میں ہی گم ہوئی ہو تو اسے مسجد میں مصلیان سے پوچھا جا سکتا ہے، لیکن مسجد کے باہر گم ہوا سامان کا اعلان مسجد میں کرنا ممنوع ہے، اگر بہت ضروری ہو تو مسجد کے دروازہ پر باہر نکل کر کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا" (مسلم) جو شخص کسی کو مسجد کے اندر گمشدہ سامان کا اعلان کرتا ہوا دیکھے تو کہے اللہ تمہارا سامان نہ لوٹائے، اس لئے کہ مسجدیں اس کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، اسی طرح مسجد سے ایک شخص کی وفات کا بار بار اعلان سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، اگر چہ مسجد سے میت کا اعلان جائز ہے، مگر اس اعلان کی کثرت یا وقفہ وقفہ سے اس کی تکرار محل نظر ہے۔

مسجد کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو لڑائی جھگڑوں اور شور وہنگامہ سے بھی محفوظ رکھا جائے تا کہ عبادت کرنے والوں کی عبادت اور خشوع وخضوع میں خلل نہ پڑے،.....کی ایک حدیث جو معنیً صحیح ہے، اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "وخصوماتكم ورفع أصواتكم" اپنے جھگڑوں اور بلند آواز سے مسجدوں کو بچاؤ۔ اگر مسجد میں مجلس قضا ہو تو آدمی مسجد کے احترام کو ملحوظ رکھ کر اپنے معاملہ کو بیان کرے گا، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو صرف اپنے مخالف کو رسوا اور بدنام کرنے کی غرض سے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح مباح گفتگو بھی مسجد کے اندر اتنی بلند آواز سے کہ دوسرے عبادت گزاروں کو خلل پہنچے درست نہیں ہے۔

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں، میں مسجد میں تھا تو کسی نے مجھے کنکری ماری، دیکھا تو عمر بن الخطاب تھے کہا کہ ان دو آدمیوں کو لیکر آؤ، میں انہیں لایا، پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو، انہوں نے جواب دیا طائف سے، اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، "ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله ﷺ" (بخاری) تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہو۔

مسجد کی نظافت بھی اس کے احترام کا ایک حصہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے مسجدوں کو صاف ستھری رکھنے کا حکم دیا، فرمایا: "البزاق في المسجد خطيئة وكفارتها دفنها" (بخاری) مسجد میں تھوکنا گناہ کا کام ہے اور اس کا کفارہ اس کو زائل کرنا ہے۔

نیز فرمایا: "عرضت على أجور أمتي حتى القذاة يخرجها من المسجد" (ترمذی) میری امت کی نیکیاں مجھ پر پیش کی گئیں، یہاں تک کہ وہ تنکا بھی جو مسجد سے نکالتا ہے۔ الغرض یہ کہ مسجد کے احترام کو ملحوظ رکھنے اور قائم رکھنے کے لئے ان تمام امور سے اس کو بچانا ہوگا جن سے بچانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو صرف زبانی دعوی ہمارے کام آنے والا نہیں ہے۔ والله ولي التوفيق۔

☆☆☆

# اسلامی تعلیمات اور علوم جدیدہ

مولانا عبدالمنعم النمر
فاضل از ہرورکن بعثۃ از ہرومؤتمر اسلامی

وہ کون سے علوم ہیں جن کا حاصل کرنا مسلمان طالب علم کے لیے ضروری ہے؟

اس سوال پر اکثر بحث ہوا کرتی ہے آج ہم بھی اس بحث میں حصّہ لے رہے ہیں بحث کا بنیادی نقطہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ علوم کو یہ حیثیت دی جاتی ہے کہ وہ آخرت میں کارآمد ہوں گے، اور قیامت کے روز ان کے بارے میں ہم سے باز پرس ہوگی، مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، یہ علوم ہمارے لیے آخرت میں کارآمد ہیں ان کا سیکھنا ہم پر فرض ہے ان میں کوتاہی ہوگی تو یوم الحساب میں ہم سے باز پرس ہوگی۔

ان کے ماسوا دوسرے علوم جن کو علوم آلیہ یا دنیاوی علوم کہا جاتا ہے وہ آخرت کے بارے میں کارآمد نہیں، لہذا اُخروی کامیابی کے پیش نظر ان کا سیکھنا بھی ضروری نہیں اور ان کے حاصل کرنے میں عمر عزیز صرف کرنا بھی بیکار ہے، جغرافیہ، حساب، سائنس وغیرہ اسی قسم کے علوم بتائے جاتے ہیں۔

اس نظریہ کا پسِ منظر ایک حد تک قابلِ قدر ہے ان بزرگوں کی خوش اعتقادی میں بھی کلام نہیں، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طریقہ سے وہ دین کی خدمت کررہے ہیں اور دینی تعلیمات کے بموجب ایک رائے قائم کررہے ہیں۔ ان کے حسن نیت پر بحث نہیں ہے، لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کے اعمال وافکار اور اس کی جدوجہد کو صحیح اور کارآمد بنانے کے لیے فقط حسن نیت کافی نہیں بلکہ حسن نیت کے ساتھ حسن بصیرت اور فکر صحیح بھی ضروری ہے تاکہ قول وعمل سے وہ نتیجہ مرتب ہوسکے جو مفاد ملّت کے لیے مطلوب ہے اور بقول شخصے ''نیکی برباد گناہ لازم'' نہ آئے۔

غور وفکر کا نہج یہ ہونا چاہئے کہ اسلام کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے اور یہی حقیقت ہے کہ وہ ایک زندہ مذہب ہے اور ایک ایسا پروگرام ہے جو ملّت کو دینی کامیابی کے ساتھ دنیاوی برتری اور سربلندی بھی عطا کرتا ہے وہ قوم میں ایک کامل زندگی پیدا کرتا ہے، اسلام تمام مذاہب سے اسی بنا پر ممتاز ہے کہ وہ انسان کے دنیوی مصالح کا بھی ایسا ہی لحاظ رکھتا ہے جیسا کہ اس کی دینی ضروریات کا۔ بلکہ دینی فرائض کی وہ ایک ایسی نوعیت قائم کرتا ہے کہ دنیوی مصالح کے لیے وہ تقویت اور ترقی کا باعث بن سکیں۔ وہ تمام صورتیں اور وہ تمام افکار جن سے بہتر معیشت اور اُخروی مفاد میں تصادم واقع ہو یا مذہب اور مذہبی طبقہ کی سربلندی اس کی شوکت وحشمت اور اس کی عزت اور وقار میں فرق آئے، ایسے تمام افکار اور نظریات مذہب کا نام لینے والے کو تاہ اندیش لوگوں کی کوتاہیٔ نظر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان کی نیتیں صحیح ہوسکتی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ بصیرت اور تفقہ بھی صحیح ہو۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ''آفة الأديان من جهل الدعاة''۔

ہم بلا شک وشبہ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ہر ایسے علم کی تائید کرتا ہے جو دنیاوی ترقیات کے لئے ناگزیر ہوں، بلکہ آگے بڑھ کر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دنیاوی علوم کا سیکھنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے پس ایسے تمام علوم جو مسلمانوں کو صحت، زراعت، صنعت اور ایسے طریقے سکھائیں جن سے وہ زمین کے خزانے برآمد کرسکیں، پٹرول اور دوسرے عناصر تلاش کرسکیں، مسلمانوں میں جنگی قوت اور مقاومت کی طاقت پیدا کرسکیں، یا ان کی دولت میں اضافہ کرسکیں، ایسے تمام علوم جو قوم کی معاشیات کے لیے معاون اور مفید ہوں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان ان کو بھی حاصل کریں، ان میں برتری اور مہارت پیدا کریں تاکہ ملت اسلامیہ زندگی کے ہر گوشہ میں تنومند اور طاقت ور ہو، اور کسی بھی لحاظ سے غیر کی دست نگر اور محتاج نہ رہے، کیونکہ یہ دست نگری اقتدار اعلیٰ کی زمام دوسروں کے سپرد کرتی ہے اور ''الإسلام يعلو ولا يعلى عليه'' کے برخلاف پیشانی ملت کو دوسروں کے سامنے سرنگوں کردیتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس تفریق کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ ہم کچھ علوم کو آخرت کے واسطے نافع مانیں اور کچھ علوم کے متعلق یہ خیال رکھیں کہ آخرت میں ان کے بارے میں کوئی بازپُرس نہ ہوگی۔

ہم ایک اور عقیدہ بھی پیش کرنا چاہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ تعجب انگیز ہو، مگر ہم اس کے صحیح تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، اس تعجب انگیز عقیدہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو چیزیں دنیا کی بہتر معیشت کے لیے مضر ہیں، وہ یقیناً حیاتِ اخروی کے لیے بھی نقصان رساں ہیں، اس کی دلیل واضح ہے کیونکہ جو چیز دنیوی زندگی میں امت اسلامیہ کے لیے نقصان رساں ہے اللہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے وہ علم ہو یا عمل ہو، اس کے ارتکاب پر خدا کے یہاں بازپُرس ہوگی۔

اس لیے کہ اوامر ونواہی کا مقصد یہ ہے کہ ایک صالح زندگ پیدا ہو اور انسان دنیا میں امن وامان کے ساتھ بھائی بھائی بن کر خوشگوار زندگی گزار سکیں۔ پس جبیہ صورتِ حال جس کو ہم دُنیوی سعادت کہہ سکتے ہیں پیدا ہوگی، تو لامحالہ اُخروی سعادت اور کامیابی بھی میسر آئے گی، اور جب بھی اس دُنیوی سعادت میں خلل واقع ہوگا۔ اخروی کامیابی میں بھی فرق آئے گا۔

انتہا یہ کہ صرف معاملات نہیں نماز، روزہ جیسے اُمور جو محض عادت ہیں ان کا منشاء بھی سب سے پہلے نفوس انسانی کی تہذیب، اخلاق کی اصلاح اور دنیوی معیشت میں فلاح وبہبود پیدا کرتا ہے۔

جب ان عبادتوں سے یہ مقاصد نہ پیدا ہوں یعنی اخلاق کی اصلاح نہ ہو۔ اجتماعی زندگی درست نہ ہو، نوع انسانی کی ہمدردی اور آپس میں تعاون کی روح پیدا نہ ہو تو یہ عبادتیں اُخروی کامیابی کے لیے بھی نفع بخش نہیں۔

چنانچہ کتاب اللہ کی شہادت موجود ہے مثلاً نماز کے متعلق ارشاد ہے ﴿ ان الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر ﴾ یہ فحشاء اور منکر جن کو نماز روکتی ہے۔ لامالہ دنیوی معاملات ہی کے اندر ظہور پذیر ہوں گے اور اسی کے متعلق آیت کریمہ کی تصریح ہے کہ اگر نماز ان کا سدِّ باب نہیں کرسکتی اور نماز پڑھنے کے باوجود ایسی چیزوں میں مبتلا رہتا ہے جو اس کی اخلاقی اور جماعتی زندگی کے لیے نقصان رساں ہوں جن سے دنیوی معیشت خراب ہو تو یہ نماز وہ نماز نہیں ہے جو شریعت کا مقصد ہے، یہ نماز جب اپنی تاثیر سے محروم ہے تو حقیقی روح سے بھی ہم کنار نہیں ہے جناب رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

کہ جب نماز فحشاء اور منکر کو روکے وہ اللہ سے قرب کے بجائے بعد پیدا کرے گی، اسی طرح روزہ ادار کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر وہ روزہ رکھ کر بھی مکر وفریب کی باتیں اور دھوکہ بازی کے کام نہیں چھوڑتا تو خدا کو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دن بھر بھوکا پیاسا رہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ آپ نے ایک عبادت گزار کے لیے جو پڑوسیوں کے حق میں بدخلق تھی۔ فرمادیا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ غرض اسی قسم کی بہت آیات واحادیث صاف اعلان کررہی ہیں کہ عبادتوں کا مفاد اوران کا نتیجہ اگر دنیاوی معاشرت کی اصلاح نہیں ہے تو ان سے اُخروی مفاد بھی خاطر خواہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

بہر حال جب انسانی معاشرت کی اصلاح اہل ملّت کی برتری اور سر بلندی اسلامی تعلیمات اور اس کے احکام و عبادات کا اہم ترین مقصد ہے تو کیا ہمارے لیے جائز ہوسکتا ہے کہ ہم دینی اور دنیوی علوم میں فرق پیدا کریں اور یہ کہہ سکیں کہ جن علوم سے دنیا میں ہماری برتری اور جماعتی زندگی کی سر بلندی ہوتی ہے وہ فرض نہیں ہو، اور ان کے متعلق کدا کے ہاں باز پرس نہیں ہوسکتی۔ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم دنیا اور اس کے تقاضوں سے آنکھ بند کرلیں، کیا اسلام کی تعلیم کسی بھی نوع سے رہبانیت کو برداشت کرسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا اس امّت کے متعلق ارشاد ہے﴿ خير أمة أخرجت للناس ﴾ (بہترین امت جو لوگوں کے لیے وجود میں لائی گئی) اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ عزت اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے یہ آیتیں ہمارے سامنے ہیں اور ہم صبح وشام ان کو پڑھتے ہیں پھر کیا کوئی ذی ہوش اور صاحب عقل یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ایک ایسی امت اور ایک ایسی جماعت ''خیر امت'' ہو جو اپنے معاشی تضاضوں اسے ناواقف اور ضروریات معیشت سے نابلد اور اُن علوم وفنون سے بے بہرہ ہو جن کو حاصل کر کے دوسری امتیں ترقی کی منزلیں طے کررہی ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ وہ چیزیں پیدا کررہی ہیں جو انسانیت کے لیے کارآمد اور نفع بخش ہیں اور اس طرح اپنی برتری کا پرچم پورے عالم میں لہرارہی ہیں۔

کیا آج دنیا میں وہ امت عزت پاسکتی ہے انجینئرنگ، طب، زراعت، وصنعت، طبقات الارض، ہوائی اور بحری، صنعتوں اور ان تمام چیزوں سے بے بہرہ ہو جو دورِ حاضر میں قومی زندگی اور قومی عروج واستحکام کے لیے سنگ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں؟ کیا یہ قوم جو اپنی ان تمام ضروریات میں دوسروں کی محتاج ہو۔ عزّت کے کسی زینہ پر اپنا قدم رکھ سکتی ہے؟

ایک تلخ حقیقت کبھی نظر انداز نہیں ہونی چاہئے، آج ہماری یہ عظیم الشان تعداد جو کروڑوں سے متجاوز ہے اس طرح بے دست وپا۔ اُفتادہ وپسماندہ کیوں ہے؟

کیا اس اس بنا پر کہ ان علوم عصریہ اور فنون جدیدہ میں وہ مہارت حاصل کیے ہوئے ہے یا اس بنا پر کہ وہ جس طرح دین صحیح اور اخلاق کریمانہ سے محروم ہے، ان فنون کی واقفیت سے بھی محروم ہے۔

بلاشبہ مسلمانوں کا اخلاقی منزل قرون اولیٰ کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ مگر پھر بھی مسلمان عروج وترقی سے ہم کنار رہے اور مشرق ومغرب کے ممالک میں اپنے عروج اور شوکت وسطوت کے قطب مینار اس وقت تک تعمیر کرتے رہے جب تک اپنے زمانہ کے دنیاوی علوم وفنون میں وہ دوسری تمام قوموں سے پیش پیش رہے اور جب سے ان فنون کی مہارت دوسروں کے حصہ

میں آئی عروج وترقی نے بھی مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر انہی کی آغوش گرم کی جن کے پاس علوم عصریہ اور فنون جدیدہ کی دولت ترقی پذیر تھی۔ تاریخ ہمیں ایک نہایت دردانگیز اور تکلیف دہ حقیقت یاد دلا رہی ہے۔ کچھ مسلمان حکومتوں نے ملک کی ترقی کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اس ترقی کی ضروریات فراہم کرنے سے وہ حکومتیں قاصر رہیں تو اغیار سے امداد حاصل کی۔ اس کا نتیجہ کیا بر آمد ہوا؟ غلامی اور ذلت وخواری! (نہر سوئز کا واقعہ اس کی معمولی مثال ہے۔ مترجم)

ایسی ہی صورتیں دوسری اسلامی مملکتوں میں بھی پیش آئیں، پس کیا ہمارے لیے درست ہے کہ تاریخ کی ان تلخ حقیقتوں کو ہم فراموش کردیں اور اس بات کا یقین نہ رکھیں کہ ملّت کی تنومندی اور کامیابی صرف اسی صورت میں ہے جب ہر لحاظ سے وہ خود متکفل اور دوسروں سے بے نیاز ہو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿أعدوا لهم ما استطعتم﴾ الآیۃ اس کی تعمیل کس طرح ہوسکتی ہے کیا اس آیت کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ مسلمان نہ صرف یہ کہ آلات حرب فراہم کریں بلکہ وہ تمام استعداد وصلاحیت اور مہارت پیدا کریں جس سے وہ ہوائی جہاز، ٹینک، پیراشوٹ، تار پیڈو، بم، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سب کچھ تیار کرسکیں تاکہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک دفاعی قوت ہوں اور اس سیاسی دنیا میں ایک محاذ کی حیثیت سے قائم رہ سکیں۔

بیشک کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے قوّت کا استعمال انسانیت پر، انسانی اخلاق پر، دنیا کے امن وامان پر بدترین ظلم ہے لیکن اپنے تحفظ وبقاء کے لیے اپنی خوددار اور باوقار زندگی کے واسطے قوت کا تحفظ اہم ترین ملّی، قومی اور اخلاقی فرض ہے۔

بلاشبہ جنگی آلات کی صنعت ایک جہاد ہے اسی طرح ہر وہ صنعت جو قومی زندگی کے بقاء وتحفظ کے لیے ضروری ہو، اس کا اختیار کرنا ہی یقیناً جہاد ہے، کاشتکار ملک اور قوم کے لیے غلّہ پیدا کرکے جہاد کررہا ہے، ڈاکٹر ڈاکٹری سیکھ کر سرجری کا علم حاصل کرکے قوم کے لیے جہاد کررہا ہے، طبقات الارض کی تعلیم حاصل کرنا اور اس علم کو کام میں لانا قومی جہاد ہے اسی طرح ملک اور ملّت کے جس تقاضہ کو بھی جو جماعت انجام دے رہی ہے۔ وہ ایک جہاد کررہی ہے۔

پس اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ اس پیرو، اس کے ماننے والے اور احترام کرنے والے ہر علم وفن میں بہترین مہارت کے مالک ہوں، اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اس کے ماننے والے زندگی کے ہر شعبہ میں پیش پیش ہوں وہ تمام دنیا کو علم وعمل کے خزانے تقسیم کریں۔ تہذیب واخلاق کے معلم بن کر دنیا کو ایک بہتر اور بلند تر معیشت سے پر رونق بنائیں تاکہ وہ بین الاقوامی قیادت کے مالک ہوں اور اس فرض کو انجام دے سکیں جو ارشاد خداوندی ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس﴾ کے بموجب ان کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔

حضرات علماء کرام فقہاء ملت، مدبرین ومفکرین رہنما غور فرمائیں کہ کیا ان کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس نہ ہوگی اور جب کہ یہ دنیاوی علوم بھی مقاصد کے لحاظ سے ضروری ثابت ہوں تو کیا عنداللہ ان سے لاپرواہی موجب گرفت اور باعث مواخذہ نہ ہوگی، پس یہ تفریق بے معنی، مدارنیت پر رہا، اگر خاص دینی علوم ہی دنیا طلبی کے لیے پڑھے جائیں تو حرام ہیں، اس طرح دنیاوی علوم اگر دینی مقاصد کے لئے ہوں تو وہ موجب اجر وثواب ہیں۔ (بشکریہ ماہنامہ ''الاسلام'' دہلی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۱ء)

☆☆☆

مذاہب وادیان

# ہندومت

مولانا محمد مستقیم سلفی

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے نصاب تعلیم میں ایک مضمون ''الادیان والفرق'' داخل ہے۔ سال گذشتہ سے مذکورہ مضمون کے پڑھانے کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے، میں نے مناسب سمجھا کہ جامعہ کے طلبہ کو جو محاضرہ دوں اسے جامعہ سلفیہ کے رسالہ ''محدث'' میں بھی شائع کرتا رہوں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے مستفید ہوں، اور اگر مجھ سے کہیں کوئی غلطی واقع ہو تو اس فن کے جاننے والے میری اصلاح فرمادیں۔

اللہ تعالی اس مقالہ کو تمام لوگوں کے لیے معلومات افزا اور مفید بنائے اور شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

لفظ ''ہندو'' سنسکرت کا لفظ ہے جو دریائے ''انڈس'' کے نام ''سندھو'' سے آیا ہے جو بعد میں بدل کر ہندو ہوگیا، ''مت'' بھی دراصل سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنی مذہب اور عقل کے ہوتا ہے، اردو میں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کہ ''اس کی ''مت'' (یعنی عقل) ماری گئی۔

اللہ تعالی نے اس دنیا کو وجود بخشا، اس میں ضروریات کی چیزیں مہیا کیں، انسان کو اس کا مکین بنایا اور زندگی گذارنے کا اسے ڈھنگ اور سلیقہ سکھایا، چنانچہ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانی آبادی ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی دھرم ومذہب سے ہے، ہر حال میں اس کا ایک طرز معاشرت ہے، جسے وہ شدت سے اختیار کئے ہوئے ہے۔

زمانۂ قدیم سے لیکر آج تک کوئی زمانہ ایک ماوراء ہستی کے وجود کے اعتراف سے خالی نہیں رہا، دیکھو سورج کے پجاری بلا وجہ سورج کی پوجا نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ میں مروج سائنس کے ذریعہ پتہ چلایا کہ جہاں پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں وہاں لوگوں کو زندگی ملتی ہے اور جہاں سورج کی کرنیں نہیں پڑتیں، وہاں زندگی تو بڑی دور کی بات ہے گھاس تک نہیں اگتی ہے اور نہ جانور زندہ رہتے ہیں، اسی چیز کو دیکھ کر کچھ لوگ سورج کی پرستش میں مشغول ہوگئے، کچھ لوگوں نے دیکھا کہ مادی اشیاء کو آگ سے حرارت ملتی ہے اور آگ کے کارنامے بڑے زبردست ہیں، انہوں نے آگ کی پرستش شروع کردی، علی ھذا القیاس۔

مظاہر قدرت کی پرستش کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اتنا وسیع ہوا کہ لوگوں نے جانوروں تک کو اپنا خدا بنالیا، چنانچہ ہندووں نے گائے میں یہ تصور کرکے کہ ان کے اندر دیویاں بسیرا کرتی ہیں، ان کو اپنا خدا قرار دیا، اور بندر کو مقدس سمجھ کر پالنا شروع کردیا جسے ان کے یہاں ہنومان کہتے ہیں، اور اس کی شبیہ بنا کر اسے پوجتے ہیں۔

## ہندو مذہب کی تاریخ:

ہندو مذہب اور ہندو قوم کی تاریخ کہیں بھی محفوظ نہیں ہے، خود ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں نے کبھی اپنی قدیم تاریخ پر قلم نہیں اٹھایا، چنانچہ محققین نے لکھا ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے ہندوؤں کی کوئی تاریخ کسی تاریخی کتاب میں محفوظ نہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں کہ اہل چین، یونان اور اہل عرب کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مورخ نہیں تھے، اور یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اس نے یہ دشواری پیدا کردی ہے کہ ہم گذشتہ واقعات کا زمانہ اور تاریخ متعین نہیں کر سکتے اور یہ واقعات آپس میں بہت متضاد ہیں، ہمارے پاس صرف ایک کتاب ایسی ہے جسے ہم تاریخی کتاب کہہ سکتے ہیں اور وہ ہے ''کشمیر کی تاریخ''، اس کتاب کے علاوہ باقی واقعات کے لئے ہمیں تصورات اور خیالات کی دنیا میں جانا پڑتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخی تسلیم کرتے ہیں۔ (تقابل ادیان از پروفیسر محمد یوسف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی قدیم تاریخ محفوظ نہیں ہے، البتہ اتنی بات مسلم ہے کہ وہ اقوام جو شرک میں مبتلا تھیں اور ان کے یہاں بت پرستی کا رواج تھا، اصلا یہ چیزیں ہندوستان میں نہ تھیں، بلکہ باہر سے ان لوگوں میں داخل ہوئی تھیں، اور پھر بعد میں ان چیزوں نے ہندوؤں کے دل ودماغ پر اس طرح قبضہ کرلیا کہ اب وہ کسی طرح ان سے جدا نہیں ہوتیں۔ بابل، مصر اور بحیرۂ روم میں آباد بت پرست اقوام خاص طور پر بحیرۂ روم میں موجود ''دراوڑ'' قوم جو سندھ میں آکر آباد ہوئیں کے متعلق وادی سندھ (ہڑپا اور موہنجوڈارو) کی کھدائی سے حاصل ہونے والی معلومات کے ایک بہت بڑے حصے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے، جو بعد میں ہندوستانی تہذیب ومذہب کا حصہ بن گئی۔ (تقابل ادیان)

## ہندو مذہب کا وجود کب سے:

ماہرین آثار قدیمہ نے مختلف کھنڈرات کی جو کھدائی کی ہے اس کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب باضابطہ ہندوستان میں اس وقت وجود میں آیا تھا جب کہ آریہ قوم کا یہاں ورود ہوا، اس سے پہلے باضابطہ طور پر ہندو مذہب کا یہاں کوئی وجود نہ تھا۔

رہی یہ بات کہ آریہ قوم جو ہندوستان میں آکر آباد ہوئی، اس کا اصل وطن کہاں تھا؟ تو اس کے بارے میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ پروفیسر ''میکس ملر'' کے مطابق ان کا وطن ''وسط ایشیا'' تھا، بال گنگا تلک کی رائے میں ان کا وطن ''منطقہ باردہ'' تھا، بعض مورخین کے نزدیک ''روس کے مشرقی علاقے'' تھے۔

## آریاؤں کی آمد کا زمانہ

آریہ قوم کے وطن کے بارے میں جتنا شدید اختلاف ہے، اسے سامنے رکھ کر ہندوستان میں ان کی آمد کا زمانہ بھی متعین کرنا مشکل ہے، چنانچہ مورخین نے بھی حتمی طور پر ان کی آمد کا زمانہ متعین نہیں کیا، البتہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ ۱۲ تا

۱۷سوقبل مسیح کے درمیانی عرصے میں ہندوستان وارد ہوئے، اور تاریخی روایات کے مطابق ہندوستان آکر ان لوگوں نے مقامی لوگوں کو جنوب مشرق کی طرف ڈھکیل کر خود اس علاقے پر قبضہ کرلیا۔

## آریہ قوم کا مختصر تعارف

مورخین کے نزدیک آریہ قوم کا دھرم اور مذہب ''وید'' ہیں، جن میں ان کی مذہبی روایات اور ان کا تاریخی خزانہ محفوظ تھا، لیکن وید کے مرتب ہونے کا زمانہ آریہ قوم کے ہندوستان میں آباد ہونے کے کافی عرصہ بعد کا ہے، جب کہ آریہ قوم مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کا اثر قبول کرچکی تھی، اس لیے وید میں صحیح مذہبی روایات کا ہونا بھی ناقابل تسلیم اور مشکوک ہوجاتا ہے۔

ویدی ادب میں لکھے ہوئے حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ آریہ قوم کے لوگ بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے، اور ان کے سرداران قبائل کو راجہ کہا جاتا تھا، اس قوم کے لوگ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم تھے۔

(۱) آریائی دیوتاؤں کے خدام اور پجاری، انہیں برہمن کہا جاتا تھا۔ (۲) سردار اور جنگجو افراد، انہیں کشتریہ کہا جاتا تھا۔ (۳) عام لوگ اور تاجر جو پہلے دونوں طبقوں کے خادم سمجھے جاتے تھے انہیں ویش کہا جاتا تھا۔ (جاری)

☆☆☆


## فارغین مدارس کے لیے زریں موقعہ
## تخصص فی الحدیث کا تین سالہ کورس

علوم حدیث کے شائقین طلبا کے لیے یہ خبر یقیناً مسرت افزا ہوگی کہ بنگلور کے منفرد وممتاز ادارہ کلیۃ الحدیث الشریف میں تخصص فی الحدیث کے تین سالہ کورس میں داخلہ کا آغاز ہورہا ہے۔

داخلہ اوائل دسمبر میں ہوگا اور انٹرویو کا آغاز یکم نومبر ۲۰۱۰ء مطابق ۲۲ ذی القعدہ ۱۴۳۱ھ بروز منگل سے ہوگا، ان شاء اللہ

داخلہ کے لیے خواہش مند طلبا تفصیلات کے لیے رابطہ کریں۔

09972381818 - 09845476048

**Centre for Islamic Studies (CIS)**

# 1/5, Masjid-e-Munawwara Complex, North Road,
Cooke Town, Bangalore - 560 084 (India)
Ph # 91-80-25466926, E-mail- mail@cis.org.in
Visit: www.cis.org.in

# مسلم معاشرہ میں غیر مسلموں کے حقوق

د:منقذ بن محمود الستار مترجم: حماد عبد الغفار سلفی

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں مسلم معاشرہ غیر مسلموں کو چند حقوق وضمانتیں عطا کرتا ہے۔ چند اہم حقوق کے بارے میں قدرے تفصیل پیش کی جاری ہے۔

**۱-حریت اعتقاد کی ضمانت:**

مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ دین اسلام ہی حق مبین ہے، وماسوا تمام ادیان یا تو اسلام کے ذریعہ منسوخ ہیں یا حقیقت دین سے ناواقف انسان نے چند گمراہیوں کو دین قرار دے لیا ہے۔

مسلمانوں نے غیروں کو دین کی دعوت تو دی لیکن طویل اسلامی تمدنی تاریخ میں کہیں بھی یہ اشارہ نہیں ملتا کہ کسی غیر مسلم جماعت یا فرد کو زبردستی اسلام میں داخل کیا گیا ہو، بلکہ مسلمانوں کے زیر سایہ بسنے والے تمام لوگوں کو دینی آزادی حاصل رہی۔ ایسا صرف اس لئے ہوا کہ گرچہ اسلام ہی واحد دین مبین ہے۔ لیکن اختلاف شرائع کا وقوع بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت میں شامل ہے۔ ﴿ لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجا ولو شاء الله لجعلكم أمة واحدة ولكن ليبلوكم فى ما آتاكم فاستبقوا الخيرات إلى الله مرجعكم جميعا﴾ (المائدۃ:۴۸) (تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے، اگر منظور مولی ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے، تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے)۔ لہذا اس تعدد واختلاف کو ختم کرنا محال وممتنع ہے۔

اس وضاحت کے بعد مسلم دعاۃ کے سامنے دین کی دعوت دینا اور اسباب ہدایت تلاش کرنا ہی باقی بچا کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ اختلاف شرائع جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوا تو گویا ہر شخص کو اعتقاد کی آزادی حاصل ہوگئی۔ اب وہ اسلام قبول کرے نا کرے انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہوا۔ ﴿وهدينا ه النجدين﴾، ﴿إنا هديناه السبيل إما شاكرا وإما كفورا﴾ کہہ کر جب اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ہم نے انسان کو حق وباطل میں تمیز کرنے والی عقل اور اپنی پسند اختیار کرنے کی آزادی دے دی تو پھر کسی اکراہ کی ضرورت نہیں رہ گئی۔ ﴿لا إكراه فى الدين قد تبين الرشد من الغى﴾ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے ''کسی کو قبول اسلام پر مجبور نا کرو اس لئے کہ دین اسلام اپنے دلائل وبراہین کے ساتھ اتنا واضح ہے کہ کسی جبر کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ اللہ تعالیٰ جسے اسلام کی ہدایت دیگا، بصیرت عطا کرے گا وہ اسلام قبول کر لے گا۔ لیکن جس کے دل پر مہر لگا دے اسے جبریہ دخول فی الدین بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ (تفسیر القرآن العظیم ۱/ ۴۱۶)

سلف رحمہم اللہ نے بھی اس کا بہترین نمونہ پیش کیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی بڑھیا سے کہا: أسلمى

تسلمی، إن الله بعث محمدا بالحق'' عورت نے کہا میں تو قریب المرگ بڑھیا ہوں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اللهم اشهد" اوراس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿لا إكراه فى الدين﴾۔امام محمد بن حسن وامام ابن قدامہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ذمی ومستأمن وغیرہ کو اگر جبراً مسلمان بنالیا جائے تو بھی اس کے لئے اسلام کا حکم ثابت نا ہوگا تا آنکہ اس سے کسی ایسی چیز کا صدور نہ ہو جو دلالت کرے کہ اس آدمی نے طوعا اسلام قبول کیا ہے۔

**۲-عبادت کی آزادی وعبادت گاہوں کے سلامتی کی ضمانت:**

جب اسلام اپنے زیر سایہ بسنے والوں کو قبول اسلام پر مجبور نہیں کرتا تو گویا لوگوں کو اپنے دین پر رہنے کا اختیار حاصل ہوگیا۔اس آزادی کے نتیجے میں ان کی عبادتوں وعبادت گاہوں سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔مسلمانوں نے بالفعل اسے انجام بھی دیا، چنانچہ نبی ﷺ نے اہل نجران کو جو امان نامہ لکھا وہ بہت سی چیزوں کے ساتھ ان کے کلیساؤں کی سلامتی اور ان کے معاملات وعبادات میں عدم مداخلت پر بھی مشتمل تھا۔(انظر مفصلا فی الطبقات الکبری لابی سعد ۱/۲۶۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ایلیا کو امان نامہ لکھا، اس میں تھا'' أن لا تسكن كنائسهم، ولا تهدم.''(تاریخ الطبری ۴/۴۴۹)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح دمشق کے بعد لکھا:'' وہ لوگ اوقات نماز کے علاوہ دن ورات کے جس حصہ میں بھی چاہیں ناقوس بجاسکتے ہیں اور ایام عید میں صلیب نکال سکتے ہیں۔(ابو یوسف فی الخراج ۱۷۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عمال کو لکھا:'' لا تهدموا كنيسة ولا بيعة ولا بيت نار''(ابوعبید فی الأ موال:۱۳۸) کسی کلیسا، گرجا، اور آتشکدہ کو منہدم نہ کرنا۔

**۳-حسن معاشرت اور اچھا معاملہ:**

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ایسے غیر مسلمین کے ساتھ بر کا سلوک کریں جنھوں نے انھیں تکلیف نا دی ہو، نا ہی ان کے ساتھ قتال کیا ہو۔﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم و تقسطوا اليهم إن الله يحب المقسطين﴾ (الممتحنة:۸) (جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی، اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا، ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

**بر کی چند صورتیں:**

کافر والدین کا نفقہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وإن جاهداك على أن تشرك بى ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما فى الدينا معروفا.....﴾ (لقمان: ۱۵) (اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا)۔غیر مسلم مریض کی عیادت کرنا جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کی عیادت کی۔(ترمذی،

ح:۳۲۳۲) ہدیہ لینا، دینا؛ اس سے آپسی بغض وعداوت میں بڑی حد تک کمی آتی ہے۔ نبی ﷺ نے خیبر میں زینب بنت الحارث یہودیہ کا، شاہ مصر مقوقس، ملک ایلہ، اکیدر اور کسری وغیرہ کا تحفہ قبول کیا، غیر مسلمین کی ہدایت کے لئے دعا کرنا آپ ﷺ نے فرمایا: "اللهم اهد دوسا وائت بهم" (بخاری ح:۲۹۳۷)

**(۴) عدل وانصاف نیز ظلم کا دفعیہ کرنا:**

اللہ تعالی نے عدل کا حکم دیتے ہوئے تاکید فرمائی کہ مخالف دین کے ساتھ بھی عدل کا برتاؤ کرنا ہے، کیونکہ اختلاف دین نفرت کا سبب بن جاتا ہے، جس سے ظلم کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی لئے مزید تاکید کی ضرورت پڑی، ﴿يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى﴾ (المائدہ:۸) (اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے)۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا: کافر کا کفر عدل کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۶/۱۱۰)

نبی ﷺ نے ذمیوں پر ظلم کرنے، نقض عہد کرنے یا ان کے حقوق چھیننے سے ڈراتے ہوئے فرمایا: مظلوم کی طرف سے میں مخاصم رہوں گا، "فمن ظلم معاهدا أو انتقصه حقه أو كلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة". (ابوداود ح:۳۰۵۲)

مسلمانوں نے عملا اسے انجام بھی دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اسلامی ریاستوں میں رہنا پسند کرتے تھے، نصاری حمص نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، موجودہ ظلم وستم کے بنسبت ہمیں آپ کی ولایت وعدل زیادہ پسند ہے، ہم آپ کے ساتھ ہرقل کی فوج سے لڑیں گے۔

**(۵) مالی مدد کرنا:**

معاشرہ میں بسنے والے غیر مسلمین اگر غریب ہیں تو ان کی اعانت بھی ضروری ہے، لہذا مسلم قوم وبیت المال کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی حاجتیں پوری کرے، اگر وہ بھوکے ہیں تو اشیاء خوردنی ان تک پہنچائی جائے، ان کی پردہ پوشی کا انتظام کیا جائے۔

ابوعبید نے کتاب الاموال میں عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنے والی سے کہا ذمیوں میں سے جو کبیر السن، کمزور اور کمانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، بیت المال سے اس کی ضرورتیں پوری کرو۔ (کتاب الاموال:۹۴)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس طرح کے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔ (کتاب الخراج:۱۵۰-۱۵۱)

یہ چند اہم حقوق ہیں جن کی ادائیگی سے غیر مسلمین کے یہاں مسلمانوں کی شبیہ بہتر بن سکتی ہے، اسی سے اسلام کی طرف لوگوں کا رجحان بھی بڑھے گا۔

☆☆☆

# چندایام لکش دیپ میں

راشد حسن فضل حق مبارکپوری/متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

تین آدمیوں پر مشتمل ہمارا قافلہ چمنستان شعور وآگہی، گہوارۂ علم وادب مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس سے روانہ ہوا، ''مغل سرائے'' سے ''مدراس'' پھر ''کیرلا'' اور وہاں سے ''لکش دیپ'' کا سفر ہمیں کرنا تھا، جہاں ہمیں رمضان المبارک کا مقدس مہینہ گزارنے کی دعوت ملی تھی، میرے بقیہ دو ساتھیوں کی آخری منزل ''کیرلا'' تھی، ۱/ ۸/ ۲۰۱۰ء رات ساڑھے گیارہ بجے ہماری ٹرین مغل سرائے اسٹیشن سے روانہ ہوئی، اس دوران احباب جامعہ ودیگر حضرات سے برابر اتصال رہا، پھر نیند نے ہمیں اپنی آغوش میں لے لیا،.....، دوسرے دن ہم ''اٹارسی'' کی سرزمین سے گذر رہے تھے، یہ علاقہ بڑا سبزہ زار نظر آیا، جابجا چھوٹے بڑے پہاڑ، جنگلات، ندی، نالے فطرت کی حسن کاریگری کا مظہر ودلکش نظارہ پیش کررہے تھے، اس راہ سے گذرتے ہوئے ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ، سبزہ زار اور ہرے بھرے درخت، کھائی، جھرنے دکھائی دے رہے تھے، ان خوبصورت اور حسین مناظر فطرت نے طبیعت کی ساری افسردگی کو دور کردیا، موسم کی دلکش چالوں اور پرفریب نظاروں نے دل کی دنیا جگادی، ہماری ٹرین کئی گھٹاٹوپ اندھیری غاروں سے ہوکر گذری، ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے رات کے دوسرے پہر کوئی بڑا پانی کا جہاز تند وتیز موجوں کو چیرتا پھاڑتا چلا جارہا ہو، قدرت کے کارخانے کا یہ تنوع، اس کے رنگارنگی سے لطف اندوز ہوتے ہم ''کیرلا'' کی سرزمین میں داخل ہوئے، اب ہم کو ''اِرِنا کولم'' پہنچنا تھا، ''کوچی'' وہاں کی بندرگاہ ہے، پھر سمندر کے راستے ''لکش دیپ'' Laksha dweep، چنانچہ ''کالی کٹ'' سے نصف شب چل کر ہم دم سحر ''ایرنا کولم'' پہنچے، ایرنا کولم ساحل سمندر پر واقع ایک بہت خوبصورت شہر ہے، فلک بوس عمارتیں، جابجا ناریل کے درخت، مصنوعی وفطری مناظر حسن ازل کی صنعت گری کا نمونہ پیش کررہے تھے، ایک دن یہاں گذرا، پھر علی الصباح بندرگاہ پہونچ گئے، وہاں کچھ اہم شخصیتیں استقبال کے لئے موجود تھیں، ان میں ایک ''محمد حیدر صاحب'' تھے جو کیرل میں ایک نیوی افسر تھے، دوسرے انگریزی کے ایک عظیم صحافی... ''مراد بھائی'' تھے، جو ہمارے آگے کے سفر کے ہادی وہم سفر تھے، پرمٹ وٹکٹ پہلے سے تیار تھا، جانچ ہوئی، کچھ ہی دیر بعد ہم جہاز کے اندر داخل ہورہے تھے۔

جہاز بہت بڑا تھا، 700 آدمیوں کا بیک وقت متحمل تھا، ہمارا ٹکٹ ''Bank'' یعنی تھرڈ کلاس کا تھا، لیکن چونکہ ہمارے ساتھ ''مراد بھائی'' تھے، اس لئے کچھ ہی دیر بعد ہمیں فرسٹ کلاس کا ایک ایرکنڈیشنڈ کیبن ''Cabin'' مل گیا، مراد بھائی چونکہ ایک انگریزی صحافی تھے، اس لئے عموماً گفتگو انگریزی ہی میں ہوتی تھی، اردو مشکل سے بول سکتے تھے، جہاز کے اکثر عملہ سے ان کی شناسائی تھی، اس لئے ہمیں کافی آسانی ہوگئی، بہت خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے، اس لئے سفر پر لطف ہونا یقینی تھا، ان کے افکار وخیالات بہت آزادانہ تھے، بعد میں پتہ چلا کہ پہلے وہ ''مارکس ازم'' کے لیڈر رہ چکے تھے، جس کی چھاپ کبھی کبھی ظاہر ہوجاتی تھی۔

جہاز اندر سے ایک بہت بڑا ہوٹل معلوم ہورہا تھا، نماز کے لئے الگ سے مسجد بنی ہوئی تھی، دو بڑی کینٹینیں تھی، راستہ

یکساں تھا،اس لئے بار بار اشتباہ ہوجاتا،نقشہ دیکھنا پڑتا، جہاز کچھ دور چلا،مگر واپس آ گیا،معلوم ہوا ایک انجن خراب ہوگیا ہے، دودن جہاز میں گذرے، پتہ چلا،اب جہاز کا بننا مشکل ہے۔

چنانچہ فوراً ہمارا ٹکٹ فلائٹ کا بنوادیا گیا، دوسرے دن ہم ''ایرپورٹ'' پہونچ گئے، پھر ڈیڑھ گھنٹے کی مسلسل اڑان کے بعد''اگتی جزیرے Agatti Island'' میں پہونچے، وہاں کچھ لوگ انتظار میں کھڑے تھے، پھر وہاں سے اپنے جزیرے ''Kavaratti Island'' کوَرَتی بذریعہ''ہیلی کاپٹر'' گئے، یہی ہماری آخری منزل تھی، یہاں''ہیلی پیڈ'' پر جزیرے کے لوگ ہمارے استقبال میں پہلے سے منتظر تھے، کچھ ہی دیر میں ہم وہاں پہونچ چکے تھے، جہاں ہمیں تراویح کی نماز پڑھانی تھی،،،.....

''Laksha Dweep'' لکش دیپ جو کہ ہندوستان کا ایک حصہ ہے'' بنیادی طور سے کسی ایک جگہ کا نام نہیں، بلکہ یہ پورے ایک علاقے کا نام ہے، جس کے تحت کل 36 جزیرے ہیں، صرف 11 جزیروں میں انسانی آبادی ہے، بقیہ تمام جزیروں میں ناریل کے درخت ہیں، ہمارا جزیزہ''Kavaratti'' کورتی لکش دیپ کی راجدھانی ہے، یہ تمام جزیزے ہم سے مغرب مشرقی سمت بحرعرب میں واقع ہیں، وہاں جانے کا سب سے آسان، سہل اور قریب راستہ کیرل کی بندرگاہ ''کوچی'' سے ہے، ویسے منگلور، کالی کٹ اور ممبئی سے بھی آیا جاسکتا ہے مگر کافی دوراور مشکل ہے، منگلوراور کالی کٹ وغیرہ سے صرف سامان ٹرانسپوٹ کئے جاتے ہیں، اور''کوچی'' سے مسافرین بذریعہ طیارہ یا بذریعہ بحری جہاز لکش دیپ جاتے ہیں، ذیل میں تمام جزیروں کا ایک خاکہ پیش کررہے ہیں، تاکہ پورا منظرنامہ سامنے آجائے۔

| نام جزیرہ | آبادی | اسکوائرکلومیٹر | کیرلا بندرگاہ سے دور |
|---|---|---|---|
| ۱-مینی کوئے Minicoy | 9495 | 4.80 | کلومیٹر 298 |
| ۲-کلپینی Kalpeni | 4319 | 2.79 | 287 // // |
| ۳-آندھروتھ Andrott | 10720 | 4.90 | 293 // // |
| ۴-آگتی Agatti | 7072 | 3.84 | 459 // // |
| ۵-کورتی Kavaratti | 10113 | 4.22 | 404 // // |
| ۶-امینی Amini | 7340 | 2.60 | 407 // // |
| ۷-کدمت Kdmat | 5319 | 3.20 | 407 // // |
| ۸-کلتن Kiltan | 3664 | 2.20 | 394 // // |
| ۹-کیٹلٹ Chetlat | 2289 | 1.40 | 432 // // |
| ۱۰-بٹرا Bitra | 264 | 0.10 | 483 // // |
| ۱۱-بنگارم Bangaram | 65 | 0.58 | 459 // // |
| مجموعی: | 60660 | 30,63 | |

لکش دیپ کے اندر انسانی آبادی کب سے ہے، یا وہاں کے لوگ کہاں سے آئے ہیں، تاریخ یہ سب بتانے سے قاصر ہے، البتہ اس قدر معلوم ہوا کہ ''کیرلا'' کا آخری راجہ عرب تاجروں کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہوگیا، پھر کیا تھا اس کے ساتھ عداوت ودشمنی کی رسی دراز کردی گئی، عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، چنانچہ اس نے اپنا سفینۂ نجات بحرعرب میں ڈال دیا، جہاں سودوزیاں کا غیر فطری خدشہ نہیں ہوتا، کشتی چلی، بھٹکی، پھر ایک انسانی آبادی والی خشکی پر پہونچی، جسے آج ''بنگارم'' کہتے ہیں، جس میں کوئی خاص آبادی تو نہیں، البتہ فطرت کے ہاتھوں نے اسے حسن کی خوبصورت پوشاک عطا فرمائی ہے، یہ وہی جزیرہ ہے، ''جسے حکومت ہند نے سیاحت کے لئے خاص کردیا ہے، غیر ملکی سیاحوں کو اس کے ماسوا جزیروں میں جانے کی اجازت نہیں'' اس کے بعد سفینۂ قسمت نے راجہ کو اگتی جزیرہ میں لاپہونچایا، اس طرح یہ جزیرے آباد ہوئے۔

لکش دیپ کے تمام جزیروں میں 100 فیصد مسلم آبادی ہے، ان دور دراز جزیروں میں اسلام کہاں سے آیا؟ ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے لڑکے عبیداللہ کا یہاں ورود مسعود ہوا، ان جزیروں کا وقوع بحرعرب میں ہونے سے یہ شبہ تو ہوسکتا ہے، لیکن عقل اس پر مطمئن نہیں، نہ تاریخی حوالے اس کا ساتھ دے رہے ہیں، ممکن ہے اسی راجۂ مذکورہ کے ہاتھوں اسلام آیا ہو، ''کیرلا'' کے مسلمانوں سے صلۂ وثیقہ کا نتیجہ قرار دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ وہاں بھی ''کیرلا'' کی طرح ''ملیالم'' ہی بولی جاتی ہے، سوائے ''مینی کولے'' کے کہ وہاں ''محل'' زبان بولی جاتی ہے، یا ''مالدیپ'' سے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے ''مالی'' بولی جاتی ہے، جو ملیالم سے ملتی جلتی ہے، اور پھر دونوں جگہ کی تہذیب وثقافت، رسم ورواج، نسل، رنگ وپیرہن میں یکسانیت، اشتراک اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، وہاں مجموعی طور سے تقریباً 85 فیصد ''سنی'' مسلمان ہیں، بقیہ سلفیت سے وابستہ ہیں، وہاں ایک جزیرہ ایسا بھی ہے، جس میں صرف سلفی ہیں، جہاں کے میخانوں میں صرف سلفیت کا جام وسبو ہے، وہ ''مینی کوئے'' ہے، جس جزیرے میں ہم تھے یعنی ''کورتی'' اس میں تقریباً چھوٹی بڑی 30 مسجدیں ہیں، صرف ایک مسجد سلفیوں کی ہے، بقیہ سب سنی حضرات کی ہے۔

مگر افسوس کہ سنی حضرات کی بیشتر مسجدیں ویران پڑی ہوئی ہیں، کہیں اذان ہوئی کہیں وہ بھی نہیں، کسی میں چند حضرات آگئے تو خیر ورنہ مسجد کے بلند مینارے اپنی بدقسمتی اور ان کی غفلت وسرمستی پر مرثیہ خواں وماتم کناں رہے، وہاں سنی مسلمانوں میں بددینی وبددیانتی بہت ہے، تقویٰ شعاری وصالحیت کا غیر معمولی فقدان ہے، اپنے باطل اعتقادات ونظریات میں نہایت کٹر ومتعصب ہیں، وہاں کے سنی مسلمانوں میں بہت ساری نئی بدعات وخرافات جو اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آئی تھیں، دیکھیں، یہ سب بدعتیں وگمراہیاں بڑے پیمانہ پر کیرل وغیرہ سے ٹرانسپورٹ کی جاتی ہیں، یہی حال بیشتر جزیروں کا ہے، یہ سب دیکھ کر جہاں ایک طرف ان کے عوام کی نادانی وجہالت پر افسوس ہوتا ہے وہیں دوسری طرف ان کے علماء پر حیرت واستعجاب بھی، ساتھ ہی اپنی بے بسی ولاچارگی کا احساس بھی۔ اللہ امت بیضاء کو سیدھی راہ پر لائے۔

دوسری طرف بیحد خوشی کی بات یہ ہے کہ جماعت اہل حدیث جسے وہاں ''مجاہدین'' یا سلفیت کے نام سے جانا جاتا

ہے، اگر چہ ان کی صرف ایک مسجد ہے، لیکن وہ پوری طرح آباد ہے، سلفی حضرات اپنے مضبوط اور پختہ اعتقاد کے حوالے سے، نماز کا اہتمام، زکاۃ کی پابندی، سچائی وصداقت، امانت ودیانت، عہود ومواثیق کی پاسداری جیسی اعلیٰ قدروں سے مزین ہیں، پانچوں نمازوں کا بالالتزام پابندی کے ساتھ اہتمام ہوتا ہے، اگر کوئی مسلسل نہ آیا تو مواخذہ ہوتا ہے، دور دراز گوشوں سے لوگ پوری فیملی کے ساتھ ہر نماز کے لئے آتے ہیں، عورتوں کے لئے الگ سے بہترین انتظام ہے، بچے بھی ذوق وشوق سے مسجد آتے ہیں، ہر شخص چاق وچوبند نظر آتا ہے، زکاۃ کے لئے الگ سے فنڈ قائم ہے، تمام لوگ اپنی اپنی زکاۃ اسی کمیٹی میں جمع کرتے ہیں، پھر تقسیم کا مرحلہ اجتماعی طور سے انجام پاتا ہے، حساب نہایت دیانت داری کے ساتھ اجمالاً مسجد میں لگا دیا جاتا ہے، جسے ہر شخص دیکھ اور سمجھ سکتا ہے، ان تمام چیزوں کا اعتراف وہاں کے دوسرے مکتب فکر کے لوگوں کو بھی ہے، سلفی نظم وضبط کو دیکھ کر وہ بھی عش عش کر اٹھتے ہیں، اس وقت وہاں حرکت وعمل کی جو بیداری، زندگی اور تابندگی ہے اگر اسے ''K.N.M'' کیرلا ندوۃ المجاھدین'' کی دل سوزی، جانفشانی محنت وسرگرمی، سعی وکاوش کا نتیجہ وثمرہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا، ہر جزیرہ میں اس نے الگ الگ ''یونٹیں'' بنا رکھی ہیں، جس کا الگ سے پورا عملہ ہے، جو پوری دلجمعی، سعی اور لگن سے کام کر رہا ہے۔ وہاں سلفیت کے فروغ اور اسے بام عروج تک پہونچانے میں اس تنظیم کا غیر معمولی کردار رہا ہے، اس نے عورتوں اور نوجوانوں کی بھی الگ سے تنظیم قائم کر رکھی ہے، جس کے اپنے فائدے ہیں، ہندوستان میں دین ومسلک کے لئے پاکیزہ جذبات اور سلفیت کی ترویج واشاعت کا جذبہ رکھتے ہوں، انہیں یہاں کی تنظیم سے سبق حاصل کرنی چاہئے، افسوس کہ جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے اس سمت کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی ہے، لیکن امید کا دروازہ بند نہیں۔

اس جزیرہ سے الگ ''Minicoy'' نام کا ایک جزیرہ ہے، جہاں سوائے سلفیت کے دوسرے کسی بھی مکتب فکر کے لئے جگہ نہیں، ہر طرف سلفی ہی سلفی، بہت بھلا معلوم ہوتا ہے، شاید اس کامیابی کا سہرا ''جمعیۃ السلف مالدیپ'' کے سر ہو، یہ ''مالدیپ'' سے بالکل ملا ہوا ہے، جو ایک الگ ملک ہے، جہاں سو فیصدی مسلمان بستے ہیں، اکثریت سلفیوں کی ہے، وہاں کے بڑے بڑے افسران جامعہ اسلامیہ مدینہ کے فارغین میں سے ہیں، وہاں بھی اہل حدیثوں کی ایک تنظیم بنام ''جمعیۃ السلف'' ہے، جس کی فکر بلند جس کے کارنامے عظیم، سرگرمیوں کی چند جستوں میں عروج واقبال مندیوں کے کئی دشوار گذار مرحلے باآسانی طے کر لئے، ہزار انعام ہوں ان پر، ہزار رحمتیں ہوں ان کے ماننے والوں پر،....ان کی محنتوں کے آثار ونقوش تمام جزیروں کی جبینوں پر مرتسم ہیں، یہ اللہ کا بہت بڑا فضل وانعام تھا، کہ سلفیت کے چراغ نے تند وتیز طوفان میں اپنا وجود برقرار رکھا، اور آج وہاں کے ظلمت کدوں میں ماہتاب کے مانند روشن وتاباں ہے، لکش دیپ اور شمالی ہند وغیرہ کی سلفیت کے مابین اگر موازنہ ومقابلہ کیا جائے، تو یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اخلاق وعمل دونوں میدانوں میں ہم سے کافی آگے ہیں، وہاں رنگ ونسل، چھوت چھات کی بیماریاں نہیں ہیں، نہ حسد وجلن کے سانپوں کا بسیرا ہے، امن وسکون چین وراحت کی زندگی

ہے، صلح وآشتی ہے، نہ چوراور ڈاکوؤں کا خدشہ ہے نہ فقر ومحتاجگی کا ڈر، جیل تو ہے مگر کوئی قیدی نہیں، چوری کریں بھی تو کیسے کہ جزیرے سے نکل کر کہاں جاسکتے ہیں، لوگ اپنے موبائل مسجد میں چھوڑ کر یونہی چلے جاتے ہیں، کوئی ان کو چھونے والا نہیں، وہاں کی اکثریت ''خصوصاً سلفیوں کی'' تعلیم یافتہ ہے، ہر شخص اگر انگریزی بول نہیں سکتا تو سمجھ ضرور سکتا ہے، بیشتر لوگ سرکاری محکموں میں کام کرتے ہیں، ساتھ ہی وہاں کا بنیادی پیشہ مچھلی پکڑنا ہے، انواع واقسام کی مچھلیاں پکڑ کر لوگ بیچتے ہیں، ایک اہم پیشہ کہ لوگ جہازوں میں کام کرتے ہیں، ادھر حکومت ہند کی توجہ ان کی طرف کچھ زیادہ ہی ہے، تنخواہیں یہاں سے زیادہ ہیں، اس لئے بہت خوشحالی ہے، پورے جزیرے میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے، جو مانگ کر زندگی کا بسر کرتا ہو، انداز تعیش کافی بلند، عمارتیں عموماً ایک یا زیادہ سے زیادہ دومنزلہ کی ہوتی ہیں، بیشتر کے پاس گاڑیاں ہیں، انٹرنیٹ وہاں کی زندگیوں کا جزولاینفک ہے، زبان اگر چہ ''ملیالم'' ہے، لیکن انگریزی کا بھی چلن عام ہے، ہم وہاں انگریزی ہی سے کام چلاتے تھے، لوگ عمدہ اخلاق کے حامل ہیں، عزت واحترام وقدردانی وضیافت کا جذبہ غیر معمولی ہے، وہاں استغناء کی صفت بھی کافی ہے، لوگوں میں حرص ولالچ نہیں ہے، اس جزیرے کی بہت سی خصوصیات ہیں، تعجب ہوتا ہے، کہ ایک جگہ جس کے ہر چہار جانب سمندر ہے، کیونکر انسان اس میں بس سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں حفاظت کے انتظام بھی فرمائے ہیں، عموماً جزیرے کے 2یا3طرف ''Lagoon'' لگون ایریا ہوتا ہے، جو دراصل جزیرے کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اس کا پانی بالکل سبز ہوتا ہے، جس میں بہت زیادہ گہرائی نہیں ہوتی، کچھ دور تک اندر کی مچھلیاں دکھتی ہیں، جہاں سے گہرائی شروع ہوتی ہے، وہاں سے پانی بالکل کالا ہوجاتا ہے، دونوں پانی کے سنگم کی جگہ پر غضب کی موج اٹھتی ہے، منظر قابل دید ہوتا ہے، نہ ادھر کا پانی ادھر جاتا ہے نہ ادھر کا ادھر، وہاں اللہ تعالیٰ کی اس آیت کی حقیقی تصویر سمجھ میں آتی ہے، ﴿مرج البحرين يلتقيان، بينهما برزخ لا يبغيان﴾ (ترجمہ: اس نے دو دریا جاری کردیئے، جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔) یہ سب نظام قدرت کی حیرت انگیز مثالیں ہیں، جب میں نے جزیروں کی حکمت وفلسفے پر غور کیا تو مجھے ایسا لگا، کہ یہ بعث ونشر اور اللہ کی بے پناہ قوت پر خاموش استدلال ہے، کہ ایک جگہ جہاں پانی ہی پانی تھا، خشکی کا نام ونشان تک نہ تھا، وہاں ہم نے خشکی بنا کر انسان کو بسا کر اپنی بے پناہ قوت کا اظہار کیا ہے، اسی طرح جب تمہارا کوئی وجود نہ ہوگا، تو ہم تمہیں دوبارہ اسی طرح زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

یہ اور بہت ساری چیزیں ہیں، جو ذہن کے نہاں خانوں میں گونج رہی ہیں، مگر ان سب کا تذکرہ کرنا مشکل ہے... بہرحال ہم رمضان گذار کر بذریعۂ بحری جہاز ایک رات میں ''کیرلا'' پہونچ گئے، کچھ وقفوں کے بعد بنگلور، مدراس، جبل پور کے راستے اپنے وطن مالوف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

☆☆☆

# وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط:۸)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

## وہابی تحریک جنگ بالاکوٹ کے بعد

جنگ بالاکوٹ کے بعد وہابی تحریک کا ایک نیا باب تاریخ کے صفحات کی زینت بنتا ہے جو ابتلاء وآزمائش جدوجہد وجانفشانی اور ایثار وقربانی میں پہلے باب سے زیادہ روشن ہے۔ سید صاحب کی شہادت خود ایک عظیم سانحہ تھی اور مزید یہ کہ اسی جنگ میں تحریک کے اکثر سربرآوردۂ شخصیات شاہ اسماعیل شہید وغیرہ کام آگئے تھے۔ جس سے مجاہدین ذہنی انتشار کا شکار ہوگئے۔ کتنوں نے وطن کی راہ لی اور کتنے گوشہ نشین ہوگئے، تحریک کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا اور مجاہدین منتشر ہوگئے، ایسے میں ان کو منظّم کرنا، از سرنو جہاد کا آغاز کرنا اور پھر انگریز بہادر سے روبرو ہونا بڑے عزم وحوصلہ کی بات تھی، لیکن تحریک کے کارکنان نے یہ سب کرکے دکھلایا۔ وہابی تحریک کی انہیں سرگرمیوں کو جو جنگ بالاکوٹ کے بعد وقوع پذیر ہوئیں مختلف امراء کی عہد امارت کی ترتیب سے ذیل بیان کرتا ہوں۔

### شیخ ولی محمد پھلتی کا زمانہ:

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے سید صاحب کی شہادت کے بعد بہت سے مجاہدین نے وطن کا راستہ لے لیا تھا، لیکن جو باقی رہے انہوں نے اتفاق رائے سے شیخ ولی محمد پھلتی کا اپنا امیر منتخب کرلیا اور ایک بار پھر باطل کے خلاف منظّم ہوگئے مجاہدین کا ایک گروہ جو مظفر آباد میں تعنیات تھا وہ بھی بالاکوٹ پہنچ کر شیخ پھلتی کے گروہ میں ضم ہوگیا۔ آئندہ چند برسوں تک مجاہدین صحراء پیمائی کرتے رہے اور مختلف قبائلی سرداروں سے امداد بھی طلب کرتے رہے، آخر کار رائندہ خان جو ۱۸۳۰ء میں سید صاحب سے شکست کھا چکا تھا مجاہدین کو پیش کش کی اور اپنی قلمرو میں اگرور کے سردار کے ہمسایہ علاقہ میں حسبی کا قلعہ اور ملحقہ زمین عنایت کی، اس کی یہ فراخدلی مفاد پرستی سے خالی نہیں تھی۔ دراصل وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ آپس میں لڑا کر ہمسایہ سردار اور وہابیوں دونوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ [۱] مجاہدین نے اس کے ارادے کو بھانپ لیا اور اپنے پرانے محسن سید اکبر شاہ کے یہاں ستھانہ میں پناہ لی، یہاں پر امیر جماعت شیخ پھلتی نے جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ دوسرے گروہ کا امیر مولوی نصیر الدین منگلوری کو نامزد کیا اور خود سید صاحب کے اہل خانہ کو جو تخت بند میں مقیم تھے، ہندوستان پہونچانے کے لئے کوشاں ہوگئے اور ۳۷-۱۸۳۶ء میں اس کام سے فراغت حاصل کی، اسی لئے انہوں نے آئندہ ہونے والی جنگوں میں حصہ نہیں لیا۔ [۲]

دوسری جماعت جو مولوی نصیر الدین منگلوری کی قیادت میں تھی، اس کو اگر چہ ایک عارضی قیام گاہ ہاتھ آگئی تھی، مسلسل سکھوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں، مغرب میں فتح خاں کا علاقہ تھا، جو وہابیوں سے کینہ رکھتا تھا، اس نے مجاہدین کے

[۱] ہندوستان میں وہابی تحریک ص:۱۱۲ [۲] ہندوستان میں وہابی تحریک ص:۱۱۳

ہندوستان سے آنے والے قافلوں کو دق کرنا شروع کر دیا، بلکہ لوٹ مار بھی کرنے لگا، چنانچہ مجاہدین نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر کشی کی اور ابتدائی کامیابیوں کے بعد شکست ہوئی اور مولوی نصیر الدین منگلوری ۱۸۳۸ء کے قریب شہید ہو گئے۔[۱]

**مولوی نصیر الدین دہلوی:**

سید صاحب کی شہادت کے بعد اگر چہ جانثاران حق کے چھوٹے چھوٹے قافلے سرحد پر پہونچتے رہے تاہم عام مسلمانوں کے جوش جہاد میں افسردگی پیدا ہو رہی تھی، لہذا ہندوستان میں موجودہ سید صاحب کے خلفاء اور تحریک جہاد کے کارکنان متفکر ہوئے کہ سید صاحب کا مقصد فوت ہوتا نظر آرہا ہے اور انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی سرگرم شخص کی قیادت میں ایک بڑی جماعت تیار کر کے سرحد بھیجا جائے تا کہ سید صاحب کے شروع کئے ہوئے کام میں نئی روح پیدا ہو جائے، اس کے لئے سب نے بالاتفاق مولانا سید نصیر الدین دہلوی کو امیر منتخب کیا، اس کے بعد آپ نے ٹونک اجمیر، میرٹھ، امروہہ، رام پور اور اطراف دہلی میں دعوت وتبلیغ کی غرض سے دورے کئے تا کہ مجاہدین کی ایک جماعت فراہم ہو جائے۔[۲] ذاتی دوروں کے علاوہ خط وکتابت کے ذریعہ بھی جہاد کے انتظامات کی تکمیل کرنی چاہی۔

مولوی صاحب نے سب سے پہلے جو قابل ذکر امر انجام دیا وہ دوست محمد خان والئ کابل سے حلیفانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش تھی، جو اس وقت سکھوں اور انگریزیوں سے برسر پیکار تھا، لیکن ایک حادثہ کی وجہ سے یہ کوشش ناکام رہی۔[۳] ۳/ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۲/ اپریل ۱۸۳۵ء کو مولوی سید نصیر الدین کے سفر ہجرت کا آغاز ہوتا ہے، دہلی سے جے پور، ٹونک اور اجمیر ہوتے ہوئے ۱۸۳۷ء میں سندھ پہونچے، ان کی خواہش تو یہ تھی کہ سرحد پہونچ کر سید صاحب کے بقیہ ایسف رفقاء سے جا ملیں گے۔ مگر متعدد وجوہات کی بناء پر سندھ کو مرکز جہاد بنانے کا فیصلہ ہندوستان میں ہو چکا تھا۔ دوران سفر ہندوستان کے بہت سے رنگروٹوں کی ٹولیاں ان سے ملیں اور ٹونک میں بیش قرار مالی امداد بھی ملی، سب سے پہلے پیروکوٹ میں ٹھہرے وہاں سے حیدر آباد سندھ کی طرف چلے اور وہاں کے امیروں سے ملے انہوں نے ان کی ضیافت تو کی لیکن امداد کا وعدہ نہیں کیا۔[۴]

سندھ میں مولانا مزاری قبیلہ میں مقیم ہوئے اس لئے کہ مزاری نہ سکھوں سے ڈرتے تھے۔ نہ انگریزوں کے زیر اثر تھے۔ خود مولانا ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''والیان خیر پور چونکہ فرنگیوں کے زیر اثر ہیں اور سکھوں سے انہوں نے صلح کر رکھی ہے۔ لہذا ان کے علاقے میں قیام میرے نزدیک خلاف مصلحت ہے بایں ہمہ امید کی جاتی ہے کہ اس ملک کے مسلمان بہت زیادہ تعداد میں میرا ساتھ دیں

---

[۱] موج کوثر ص: ۴۰ [۲] تحریک آزادی میں علماء کا کردار ۱/۳۶۲

[۳] موج کوثر ص: ۴۱ و سرگزشت مجاہدین: ۱۳۷ [۴] تحریک آزادی میں علماء کا کردار ج: ۱ ص: ۳۶۵

گے۔والیان خیر پور کے برخلاف مزاری نہ سکھوں سے ڈرتے ہیں نہ فرنگیوں سے''۔[۱]

چنانچہ مزاریوں سے عہد و پیمان ہوا مگر سکھوں کے ساتھ پہلے ہی معرکہ میں مزاری سازش کا شکار ہوئے اور انھوں نے ۱۸۳۷ء میں سکھوں سے صلح کر لی جب مجاہدین روجھان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔لہذا مجاہدین محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔اب سندھ کو مرکز جہاد باقی رکھنا کوئی مصلحت نہ تھی ابھی رخت سفر باندھ ہی رہے تھے کہ انگریز افغان جنگ چھڑ گئی اور مولانا کو اپنے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا اور افغانستان کوچ کر گئے۔

**انگریزوں سے دوبدو جنگ:**

انگریز دوست محمد خاں والئ کابل کو برخواست کر کے شاہ شجاع کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے اور دوست محمد خاں اسے کسی قیمت پر قبول کرنے کو راضی نہ تھا اور اس نے پر جوش مجاہدین سے معاونت طلب کی۔چنانچہ مولانا نصیر الدین ایک ہزار مجاہدین کا دستہ لے کر کابل کو روانہ ہوئے اور دادر کے قریب خیمہ زن ہو کر تین سو منتخب سپاہیوں کو دوست محمد خان کی امداد کے لئے آگے بھیجا جو غزنی کی حفاظت پر متعین کئے گئے۔[۲]

اسی اثناء مجاہدین کو اپنوں کی کارفرمائی کا ایک بار پھر سامنا کرنا پڑا، ہوا یوں کہ دوست محمد خاں کا ایک عزیز انگریزوں سے مل گیا اور قلعہ کے اندرونی حالات سے آگاہ کر دیا۔انگریزوں نے رات کی تاریکی میں قلعہ کے دروازہ کو بارود سے اڑا دیا اور انگریزی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔اکثر مجاہدین نے دست بدست لڑائی میں شہادت پائی۔یہ واقعہ ۲۱/ جولائی ۱۸۳۹ء کا ہے۔[۳] غزنی میں مجاہدین نے جس بے جگری کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا ولیم ہنٹر بھی اعتراف کرتا ہے۔[۴]

بہر حال مولوی صاحب کی جہاد کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں۔بالآخر ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے اوائل میں سخت مصیبتوں سے گزرتے ہوئے مع مجاہدین ستھانہ پہونچے جہاں مجاہدین سرحد نے آپ کو اپنا امیر بنالیا، مگر قبل اس کے کوئی کارنامہ انجام دیتے خدا کی طرف سے بلاوا آ گیا اور ۱۸۴۰ء میں وفات پائی۔[۵]

مولوی نصیر الدین دہلوی کی سندھ اور افغانستان میں جہاد کی دونوں کوششیں ناکام ہوئیں لیکن انھوں نے جس پیمانے پر کام شروع کیا اور اس کی تنظیم کے لئے جس طرح کوششیں کیں ان سے اس تحریک میں ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔نواب وزیر الدولہ کہتے ہیں کہ ''سید صاحب کی شہادت کے بعد خلق خدا کی ہدایت، شریعت کے احیاء اور جہاد کا کاروبار بالکل بے آب وتاب ہو رہا تھا۔خدا کی رحمت سے مولوی سید نصیر الدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جلا پیدا ہو گئی۔[۶]

---

[۱] سرگزشت مجاہدین ص:۱۹۰ [۲] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص:۶۳ و ہندوستان میں وہابی تحریک ص:۱۲۱

[۳] سرگزشت مجاہدین ص:۵-۲۰۴ [۴] تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارے ہندوستانی مسلمان ص:۳۱

[۵] تحریک آزادی میں علماء کا کردار ص: ج:۱ ص:۳۶۷ و موج کوثر ص:۴۵ [۶] موج کوثر:۴۶

**دہلی سے پٹنہ تک:**

مولوی نصیرالدین دہلوی کی وفات کے دوسال بعد شاہ اسحاق خاندان ولی اللہی کے باقی افراد کے ساتھ مکہ معظّمہ ہجرت کر گئے۔اب تک تحریک جہاد کا صدر مقام دہلی تھا اور اس کی باگ ڈور اسی خاندان کے ہاتھ میں تھی لیکن جب اس خاندان کا کوئی قابل ذکر فرد برصغیر پاک و ہند میں نہ رہا تو تحریک جہاد کی ذمہ داری دوسرے کندھوں پر منتقل ہوگئی۔یہ سعادت عظیم آباد پٹنہ کے صادقپور خاندان کی قسمت میں لکھی تھی جس نے بڑی استقامت اور عدیم النظر قربانیاں دے کر اس فرض کو نبھایا۔[۱]

مہر صاحب اس خاندان کی ایثار و قربانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''مولانا عنایت علی کے چچازاد بھائی مولوی باقر علی جماعت کے پہلے شہید تھے وہ اکوڑہ میں دفن ہوئے۔ایک حقیقی بھائی مولوی طالب علی کو چنگلائی کی زمین پسند آئی۔دوسرے حقیقی بھائی مولانا عنایت علی تاریخی اور سنگل تھانے میں لڑتے ہوئے ستھانے کے اوپر چنئی کے پہاڑوں میں جا سوئے۔خود مولانا ولایت علی ستھانے کی مجاہد خیز خاک میں آسودۂ خواب ہیں۔ان کے فرزندوں میں مولانا عبداللہ نگرمئ میں مدفون ہیں اور مولانا عبدالکریم السمت میں اور اخلاف و اقرباء خدا جانے کہاں کہاں بکھرے پڑے ہیں۔پھر ان مردان حق نے علاقہ سرحد پر قناعت نہ کی بلکہ خلیج بنگال کے ان ٹاپوؤں میں بھی شہادت کے جھنڈے گاڑ دیئے جنھیں عام طور پر ''کالے پانی'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مولانا احمد علی اور مولانا یحییٰ علی انڈمان کے دو مختلف جزیروں میں سوئے ہیں۔[۲]

☆☆☆


# کیلنڈر 2011 جامعہ سلفیہ بنارس

حسب سابق جامعہ سلفیہ کا کیلنڈر 2011 عمدہ طباعت اور بہترین ڈیزائن کے ساتھ چار کلر میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے،خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کر سکتے ہیں۔

مکتبہ سلفیہ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

**Maktaba Salafiah, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi-221010 (U.P.)**


[۱] موج کوثر:۴۵ [۲] سید احمد شہید ص:۴۱۱

# گم گشتہ مربی علم وفن

سیف الرحمٰن غافرؔ گونڈوی

انسانی تاریخ میں علم نوازی اور قدر دانی فن کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، مصر وروم، ایران و ہند کی تاریخ میں مربیان علم وفن ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتے ہیں، اسلامی تاریخ بھی علم وفن کے قدر دانوں کے تذکروں سے خالی نہیں ہے، خلفاء راشدین وصحابۂ کرام نیز تابعین وتبع تابعین کے تاریخی ادوار میں ان گنت علم دوستوں کا تذکرہ ملتا ہے۔.....اسی سلسلہ کی ایک کڑی کا نام فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی ہیں۔

سلطان محمود غزنوی خود ایک ممتاز عالم دین تھا جس کی کتاب" التفريد في الفروع "کی بابت صاحب کشف الظنون مسعود ابن شیبہ سے ایک قول نقل کرتے ہیں کہ "كان السلطان المذكور من أعيان الفقهاء وكتابه هذا مشهور في بلاد غزنة وهو في غاية الجودة وكثرة المسائل ولعله نحو ستين ألف مسألة انتهى.(۱)

ترجمہ: محمود غزنوی کا شمار مشاہیر واکابر فقہاء میں ہوتا تھا، اس کی یہ کتاب غزنہ کے علاقہ میں بہت مشہور ہے، عمدگی وکثرت مسائل میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے، کتاب تقریبا ساٹھ ہزار مسائل پر مشتمل ہے۔

محمود شہر غزنی کا باشندہ تھا، اس کی پیدائش ۳۶۱ھ میں ہوئی، باپ کے انتقال کے بعد ۳۸۸ھ میں تخت حکومت پر متمکن ہوا، ایک رعایا پرور، انصاف پسند وعدل گستر بادشاہ تھا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اوصاف وخصائل کا مجموعہ تھا، تقریبا چونتیس برس تخت نشین رہا، اس دوران سرزمین ہند پر اس نے تقریبا ستر حملے کئے، اور اپنی زندگی کا ایک خاص حصہ کر دیا، محمود کا انتقال بروز پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمود کے دربار میں علماء کا جمگھٹا ہوتا تھا اور مناظرے وغیرہ بھی ہوتے تھے جیسا کہ تذکرہ نویس دربار محمود کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس کے دربار میں علمائے حنفیہ اور علمائے شافعیہ کثیر تعداد میں جمع تھے۔

محمود غزنوی کے اوصاف میں علماء پروری نیز اہل علم سے محبت بھی شامل ہے کہ ایک مرتبہ محمود بغرض گشت شب دیجور میں نکلا تا کہ رعایا کی خبر گیری کرے، تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک طالب علم ایک کاشانے کے روشن دان سے آنے والی روشنی میں بیٹھا مطالعہ کر رہا ہے، محمود نے اس جگہ مطالعہ کرنے کی وجہ دریافت کی، تو طالب علم نے مسجد میں روشنی نہ ہونے کی شکایت کی، چنانچہ بواسطۂ محمود مسجد بقعۂ نور بنادی گئی، جس سے طالب علم کو آرام ہو گیا۔(۳)

محمود نے ایک عالی شان مدرسہ قائم کیا، نیز اس میں ایک وسیع وعریض کتب خانہ بھی بنوایا، جو کہ بے شمار نایاب واعلی ترین کتابوں پر مشتمل تھا، اس کے لیے بہت سے دیہی علاقے وقف کئے گئے، تا کہ طلبہ ومدرسین نیز دیگر عملہ کی ضروریات

(۱) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ج ۱ ص ۴۲۶، علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: مغیث الخلق فی ترجیح قول الحق، ص: ۵۷-۵۹، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی۔

(۳) تاریخ ہند، مسلم عہد حکومت سے قیام جمہوریت تک ص: ۴۰، ۴۱، مفتی محمد صاحب پالن پوری۔

پوری ہو سکے، محمود کا مدرسے کو قائم کرنا امیروں اور ارکان سلطنت کے لیے مشعل راہ نیز باعث تقلید ثابت ہوا، نتیجۃ مختصر سے عرصہ میں شہر غزنی بے شمار درسگاہوں و کتب خانوں کا شہر ہو گیا۔(۱)

سلطان محمود غزنوی کا نام نہ صرف فتح ممالک وجمع اموال میں بلکہ علم وادب کی سرپرستی میں بھی روشن ہے۔

بہر کیف جس قدر مشہور شعراء نیز منتخب علماء وفضلاء کا جم گھٹا محمود کے دربار میں تھا، اس قدر ایران، توران کے کسی دوسرے فرماں روا کو میسر نہ ہوا، ان شعراء کی بذلہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں نے محمود کی فتوحات کو چار چاند لگا دیا، اور نہ صرف سیاسی تاریخ بلکہ فارسی ادب کے اوراق میں بھی محمود اور اس کے دربار کو جگہ مل گئی۔(۲)

مورخین رقم طراز ہیں کہ عباسی خلفاء کے بعد چند ایک ہی ایسے خلیفہ ملیں گے جو محمود غزنوی کی طرح علم وفن کے مربی وسرپرست رہے ہوں، اس کی قدردانی کی وجہ سے ہی اس کا دربار قابل قدر شخصیتوں سے بھر گیا، جن میں صرف شعراء کی تعداد چار سو تھی۔(۳)

یہاں چند علماء وشعراء کا قدرے اختصار سے تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

**۱-امام ابوبکر بن اسماعیل بن قفال مروزی رحمہ اللہ:**

اس وقت کے قومی امام تھے، مذہب شافعی کے ماننے والے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے بے شمار علماء کے درمیان دربار محمود میں شافعی مذہب کے طرز پر نماز ادا کی، جس سے محمود خاصا متاثر ہوا، بعضوں نے لکھا ہے کہ اتنا متاثر ہوا کہ شافعی مذہب قبول کر لیا۔(۴)

مورخین بیان کرتے ہیں کہ رومیوں نے مملکت اسلامی میں اس قدر لوٹ مار قتل وغارت گری کی جس کو تاریخ کے صفحات کما حقہ اپنے دامن میں جگہ نہ دے سکے، ایک لاکھ سے زائد بچوں کا اغوا، ان کی ظلم وستم کے مقدار پر دال ہے، اس قدر دست درازی سے مملکت اسلامی میں ہیجان برپا ہو گیا، پھر بھی برسر اقتدار بنی بویہ مقابلے سے گریز کرتے رہے۔

بالآخر ان تمام حالات کے پیش نظر قفال مروزی نے رومیوں کے مقابلے کے لیے مشرق سے بتیس ہزار فوج اکٹھا کی، اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کو اٹھ کھڑے ہوئے۔(۵)

**۲-محقق ابوریحان البیرونی:** ابوریحان محمود غزنوی کے زمانے کا سب سے بڑا محقق اور سائنس داں تھا، اس کی پیدائش ۳۶۲ھ میں ہوئی، اس نے ریاضی، علم ہیئت، تاریخ اور جغرافیہ میں اتنی عمدہ کتابیں لکھی ہیں کہ آج تک انتہائی شوق سے پڑھی جاتی ہیں، ان میں نمایاں ترین کتاب ''کتاب الہند'' ہے، اس میں ہندوؤں کے مذہبی عقائد، ان کی تاریخ، اور برصغیر کے جغرافیائی حالات بڑے محققانہ پیرائے میں مذکور ہیں، ان کی مشہور ترین کتابوں میں ''قانون مسعودی'' بھی ہے، جو محمود کے

(۱) تاریخ ہند، مسلم عہد حکومت سے قیام جمہوریت تک ص:۴۰، ۴۱، مفتی محمد صاحب پالن پوری۔

(۲) تاریخ ہندوستان، آب کوثر، ص:۶۱، شیخ محمد اکرم۔

(۳) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ج۱ص۲۶۴، ۲۶۵، ثروت صولت۔

(۴) مغیث الخلق فی ترجیح قول الحق ص۵۸-۵۹، تفصیل کے لیے دیکھئے: وفیات الاعیان ج۴ص۲۶۲-۲۶۹، ابن خلقان۔

(۵) تاریخ الامت حصہ پنجم ص:۹۶، محمد اسلم اجیراجپوری۔

لڑ کے مسعود غزنوی کے دور اقتدار میں لکھی گئی، یہ علم فلکیات اور ریاضی پر بڑی اہم کتاب ہے۔(۱)

**۳-ابوالطیب سہل بن سلیمان معلوکی:** یہ محمود غزنوی کے دور کے ممتاز ترین علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کو دربار محمود میں کافی اثر ورسوخ حاصل تھا، یہی ایلک خاں کی بیٹی سے محمود کا خطبۂ نکاح دینے گئے تھے، ان کا شمار جلیل القدر علماء اہل حدیث میں ہوتا ہے، ان کی وفات ۴۰۴ھ میں ہوئی۔(۲)

**۴-حکیم عنصری:** عنصری کو محمود کے زمانہ میں ملک الشعراء کا خطاب ملا تھا، حکیم عنصری شاعری کے علاوہ دیگر کمالات وفضائل کا بھی مجموعہ تھا، تمام درباری شعراء اس کے شاگرد تھے اور اسکی شاگردی پر نازاں بھی تھے، اس کو دنیائے شاعری ومحمودی دربار میں ایک خاص مقام حاصل تھا، اسی کے توسط سے شعراء کے قصیدے بادشاہ کی خدمت میں پہنچتے تھے۔ایک مرتبہ اس کی شاعری سے خوش ہوکر محمود نے جواہرات سے اس کے منہ تین مرتبہ بھر دیئے تھے۔عنصری کا انتقال ۴۳۱ھ میں ہوا۔(۳)

**۵-عسجدی:** محمود غزنوی کا مداح اور عنصری کا شاگرد تھا، مستقل قیام مرو میں تھا۔

**۶-دقیقی:** ایک قدیم شاعر ہے، سلطان محمود غزنوی کے عہد میں اس نے شاہنامے کی داغ بیل ڈالی تھی، تقریبا ایک ہزار اشعار کہا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فردوسی نے دقیقی کے شاہنامے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا(۴)، واللہ اعلم بالصواب۔

**۷-منوچہر بلخی:** یہ بلخ کا باشندہ تھا، سلطان محمود غزنوی کے دور میں غزنی میں قیام پذیر تھا، شاعری میں اسے کمال حاصل تھا، اس کا مشہور قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

اے نہادہ درمیان فرق جان خویشتن چشم ما زندہ بجان تو زندہ بہ تن (۵)

**۸-اسدطوسی:** محمود کے زمانے کا مشہور استاد شاعر تھا، خراسان کے شعراء میں سب سے زیادہ قابل تھا، محمود اس سے شاہنامے کی فرمائش بارہا کرتا مگر بڑھاپے کی معذرت کرکے ٹال دیتا، اس کا کلام نایاب ہے، اس نے اپنے شاگرد فردوسی کو شاہنامے لکھنے کی ترغیب دلائی، چنانچہ اس نے لکھنا شروع کیا مگر قبل اس کے کہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا، موت کا پروانہ آپہنچا، مرض الموت کی حالت میں فردوسی نے اسد کو بلایا اور شاہنامہ کے ادھورا رہ جانے پر افسوس کا اظہار کیا، تو اسدطوسی نے اسے منزل تکمیل تک پہنچانے کی ضمانت لی، اور اسے تسلی بخش جواب سے نوازا۔(۶)

**۹-فرخی:** یہ عنصری کا شاگرد تھا، اس کا باپ امیر خلف والی سیستان کا غلام تھا۔محمود کے دربار میں اسے ممتاز مقام حاصل تھا، محمود کے بھتیجے ابوالمظفر کے نام اس نے ایک قصیدہ لکھا، جس کی بدولت اسے کافی شہرت حاصل ہوئی۔(۷) ☆☆

---

(۱) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ج۱ص۲۶۴، ۲۶۵، ثروت صولت۔

(۲) کتاب الدول الاسلامی ص۲۴۲، حافظ شمس الدین الذھبی، تاریخ فرشتہ ج۱ص۱۰۲، محمد قاسم فرشتہ، مترجم عبدالحی ایم اے، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ص ۲۶۷، محمد اسحاق بھٹی۔

(۳، ۴، ۵، ۶، ۷) تاریخ فرشتہ ج۱ص۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۷۔

# اخبار جامعہ

## محترم صدر جامعہ سلفیہ کا طلبہ سے خطاب

جامعہ سلفیہ کے سیمینار ہال میں ایک باوقار پروگرام بروز سوموار ۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۰ء بوقت ۱۲/ بجے دن منعقد کیا گیا جس میں اساتذۂ جامعہ کے علاوہ محترم ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم صدر مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، محترم مولانا شاہد جنید سلفی نائب صدر جامعہ سلفیہ، محترم مولانا عبداللہ زبیری نائب ناظم جامعہ سلفیہ، محترم حاجی محمد سالم صاحب سابق ناظم اعلی جامعہ سلفیہ، محترم مولانا احسن جمیل مدنی ناظم امہات المومنین گرلس کالج نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی۔

پروگرام کا آغاز محترم شیخ الجامعہ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی کے مختصر خطاب سے ہوا، آپ نے سورۃ العصر کی تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کی نیز طلباء کو تعلیم پر توجہ دینے، جامعہ کے نظم ونسق کی پابندی کرنے اور صفائی ستھرائی کا اہتمام کرنے کی نصیحت فرمائی۔

اس کے بعد صدر ذی وقار ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب نے طلباء کو اپنے مخصوص انداز سے خطاب فرمایا، جس میں آپ نے مدارس اسلامیہ میں جامعہ سلفیہ کے نمایاں مقام ومرتبہ کا ذکر کیا اور اساتذہ کرام وابناء جامعہ کی خدمات کو سراہا۔

موصوف نے اپنے خطاب میں طلباء کو جامعہ کے اساتذہ اور اس کی عظیم الشان لائبریری سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی نصیحت فرمائی نیز طلباء کے لیے وضع کئے گئے نظام کے چند بنود کی وضاحت فرماتے ہوئے طلباء کو ان کی پابندی کرنے کی تلقین کی اور نظام کی مخالفت کرنے والے طلباء کے لیے سخت کارروائی کا ذکر فرمایا۔

واضح رہے کہ ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب صدر مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، الحمدللہ سلسلۂ تدریس سے بھی منسلک ہوگئے ہیں اور فضیلت سال اول کے طلباء کو حدیث کی مشہور کتاب موطا امام مالک کا یومیہ درس دیتے ہیں۔ فجزاه الله خيرا ومتعه بالصحة والعافية.

## تعطیل عید قرباں:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں امسال عید قرباں کی تعطیل ۱۳/ نومبر ۲۰۱۰ء مطابق ۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ بروز سنیچر سے ۲۲/ نومبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ بروز سوموار تک رہے گی۔

۲۳/ نومبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ سے جامعہ میں تعلیم دوبارہ شروع ہوگی، ان شاء اللہ۔

(ادارہ)

☆☆☆

# عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی
سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ

**اسلام مخالف رکن پارلیمنٹ پر مقدمہ شروع:**

ہالینڈ سے تعلق رکھنے والے اسلام مخالف رہنما گیرت وائلڈرز پر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے الزام میں ریمسٹرڈم میں مقدمہ شروع ہوگیا ہے، دراصل وائڈرز نے قرآن مقدس جیسی عظیم کتاب کا موازنہ جرمن نازی رہنما ہٹلر کی کتاب سے کیا ہے، علاوہ ازیں اس سے قبل ایک بیان میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہالینڈ میں اسلام کافی آچکا ہے، اب کسی مسلمان کو ہالینڈ نہ آنے دیا جائے، نیز ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں نے ہالینڈ میں بہت قرآن دیکھ لیا، اس فاشسٹ کتاب پر پابندی لگائی جائے۔

(راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۶/اکتوبر ۲۰۱۰ء ص ۱۲)

**بیت اللحم میں مسجد شہید کردی گئی:**

مقبوضہ بیت المقدس میں یہودی آبادکاروں نے بیت اللحم شہر میں ایک مسجد پر حملہ کرکے اسے آگ لگادی، آگ لگانے کی اس صیہونی واردات میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے کئی نسخے بھی جلادیئے گئے۔

عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے مسجد کو آگ لگی دیکھی تو وہ اسے بجھانے گئے تو وہاں موجود یہودی آبادکاروں نے ان پر بھی حملہ کردیا، نیز مسجد ملحقہ مقامات پر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف توہین آمیز عبارتیں لکھیں، بیشتر مقامات پر دیوار پر لکھے گئے جملوں میں مسلمانوں کو واجب القتل اور مساجد نذر آتش کرنا ضروری قرار دیا۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۵/اکتوبر ۲۰۱۰ء ص ۱)

**صحابہ کے مخالفین کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں: سعودی علماء**

سعودی حکومت کے زیر اہتمام علماء سپریم کونسل نے اپنے ایک تازہ فتوے میں کہا ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں، علماء کونسل کی جانب سے جاری شدہ اس فتوی میں کہا گیا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احترام اور اہل بیت رسول کا اکرام واحترام اہل سنت کے عقیدے کا جزء ہے، لہذا جو شخص بھی صحابہ کرام کے یا امہات المومنین میں سے کسی ایک کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوگا، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کے ساتھ بغض رکھنے والے کا ایمان اور اسلام سلامت نہیں رہتا، اور وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، سعودی علماء کی جانب سے جاری متفقہ فتوی میں علماء کونسل کے تمام ممبران کے دستخط ثبت ہیں، نیز فتوی کی تیاری میں آیات قرآنی اور احادیث رسول کو بطور استناد شامل کیا گیا ہے۔

فتوی کے مطابق جس طرح نبی اکرم ﷺ کی مبارک ہستی کی عزت وتکریم ایمان کا حصہ ہے، اسی طرح آپ کے صحابہ سے محبت اور عقیدت بھی جزء ایمان ہے، ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد اہل بیت میں شامل ہیں، احادیث کے علاوہ قرآن کی متعدد آیات بھی ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شامل کرنے کی دلیل ہیں۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۱۳/اکتوبر ص ۱-۹)

☆☆☆

# باب الفتاوی

**سوال: ماہ ذی الحجہ اور اس کے پہلے عشرہ کی فضیلت اور قربانی کے بعض ضروری احکام کی وضاحت فرمائیں۔**

**جواب:** اللہ تعالی نے ابتدائے آفرینش ہی سے چند مہینوں کو ادب وحرمت والا قرار دیا ہے، ان مہینوں میں ایک ذی الحجہ بھی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السماوات والأرض، منها أربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن أنفسكم﴾ (التوبۃ:۳۶) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ ہے، اور یہ اس دن سے ہے جب سے اللہ تعالی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت وادب کے ہیں، یہی مضبوط دین ہے۔

حرمت والے چار مہینے کون کون ہیں، اس کی وضاحت حضرت ابو بکرہ ؓ سے مروی اس روایت سے ہو جاتی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "السنة اثنا عشر شهرا منها أربعة حرم: ثلاث متواليات ذو القعدة، وذو الحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان"۔ (بخاری، التفسیر، باب سورۃ توبہ) یعنی سال بارہ مہینوں کا ہے، جن میں چار حرمت وادب والے ہیں، تین مہینے مسلسل، پے در پے ہیں، اور وہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں اور ایک مہینہ رجب کا ہے جو کہ جمادی الثانیۃ اور شعبان کے درمیان میں آتا ہے، مذکورہ آیت میں اللہ تعالی نے "فلا تظلموا فيهن أنفسكم" کہہ کر خصوصیت کے ساتھ ان مہینوں کی عزت وحرمت اور ان کے تقدس کی وجہ سے ظلم وزیادتی وعدوان سے منع فرمایا ہے، اور ایک مراد یہ بھی ہے جسے حافظ ابن کثیر ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالی نے ظلم کو سال کے بارہ مہینوں میں حرام قرار دیا ہے، پھر ان میں سے چار مہینوں کو خاص کر دیا ہے، کیونکہ ان میں برائی اور نافرمانی کا گناہ زیادہ ہو جاتا ہے اور نیکی اور عمل صالح کا اجر وثواب بڑھ جاتا ہے۔

اور جہاں تک عشرۂ ذی الحجہ کی بات ہے تو اس بارے میں واضح ہو کہ یہ وہ ایام ہیں جن کے افضل الایام ہونے کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان میں نیک عمل کی بڑی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ما من أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله من هذه الأيام يعني أيام العشر، قالوا: يا رسول الله! ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: ولا الجهاد في سبيل الله الا رجل خرج بنفسه وماله، ثم لم يرجع من ذلك بشيء"۔ (رواہ احمد، واللفظ لہ، والبخاری بمعناہ:۹۶۹) اور ایک دوسری روایت جو کہ حضرت جابر ؓ سے مروی ہے

کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "أفضل أيام الدنيا أيام العشر يعني عشر ذى الحجه، قيل: ولا مثلهن في سبيل الله؟ قال ولا مثلهن في سبيل الله الا رجل عفر وجهه في التراب"۔ (رواہ البزار وابن حبان وصححہ الالبانی فی صحیح الترغیب والترھیب: ۱۱۵۰) ان دونوں احادیث صحیحہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام دنیا کے سارے ایام سے افضل ہیں اور عمل صالح کے لیے یہ ایام (یعنی ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن) اللہ کے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہیں، اور ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ: "ما من عمل أزكى عند الله ولا أعظم أجرا من خير يعمله في عشر الأضحى" اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، انہیں خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر جب عشرۂ ذی الحجہ شروع ہوتا تو حضرت سعید بن جبیر ؒ عبادات میں اتنی محنت کرتے کہ ان جیسی عبادت کرنا دوسروں کے لیے مشکل ہو جاتا۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۱۱۴۸)

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ: 'والذي يظهر ان السبب فى امتياز عشر ذى الحجة لمكان اجتماع أمهات العبادة فيه وهى الصلاة والصيام والصدقة والحج، ولا يتأتى ذلك في غيره" (فتح الباری ۲/ ۴۶۰) یعنی عشرۂ ذی الحجہ کی امتیازی فضیلت کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری اہم ترین عبادتیں اس عشرہ میں جمع ہو جاتی ہیں، جیسے نماز، روزہ، صدقہ اور حج، اس کے علاوہ دیگر مناسبتوں میں یہ ساری عبادتیں اس طرح جمع نہیں ہوتی ہیں۔

ہمیں بھی سلف صالحین کے اسی طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے اس عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔

**دانتا جانور کی قربانی:**

قربانی کے جانور کے لیے جو شرائط شریعت مطہرہ نے لازم قرار دی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ قربانی کیا جانے والا جانور دانتا ہو اور اگر یہ ملنا مشکل ہو یا اسے خریدنے کی ہمت نہ ہو تو بھیڑ کا بے دانتا (ایک سالہ بچہ) قربانی کرنا جائز و درست ہے، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تذبحوا إلا مسنة الا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن" (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیۃ: ۱۹۶۳، نسائی: ۴۳۸۳، ابن ماجہ: ۳۱۴۱، ابوداود: ۲۷۹۷)

یعنی تم دو دانتے جانور کے سوا ذبح نہ کرو، لیکن اگر تمہارے لیے اس کی قربانی کرنا مشکل ہو تو بھیڑ کا ایک سالہ بچہ ذبح کرلو۔ معلوم ہوا کہ بصورت مجبوری اُدنت ایک سال کے بھیڑ کا بچہ قربانی میں ذبح کیا جاسکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت علامہ عبید اللہ رحمانی ؒ فرماتے ہیں کہ ادنت بکرا یا بکری کی قربانی کسی حال میں درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں بکرا گھر کا پالا ہو یا نہ ہو، ایک سال کا ہو یا اس سے زیادہ کا، ان باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، اس معاملہ میں دانتا ہوا ہونا شرط ہے۔ (فتاوی شیخ الحدیث، کتاب الاضحیہ)

**جانوروں کا بیان:**

قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ولكل أمة جعلنا منسكا ليذكروا اسم الله على ما رزقهم من بهيمة الأنعام﴾ (الحج:۳۴) اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں، تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ تعالی کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔

اس قرآنی آیت کریمہ میں قربانی کے جانوروں کے لیے ''بھیمۃ الانعام'' کے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں، اور اس آیت میں بھیمۃ الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہیں، جس کی وضاحت، تشریح وتعیین قرآن کریم کی دوسری آیت مبارکہ سے ہو جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں: ﴿ومن الأنعام حمولة وفرشا كلوا مما رزقكم الله ولا تتبعوا خطوات الشيطان إنه لكم عدو مبين، ثمانية أزواج من الضأن اثنين ومن المعز اثنين، قل آالذكرين حرم أم الأنثيين أما اشتملت عليه أرحام الأنثيين، نبئوني بعلم إن كنتم صادقين، ومن الابل الاثنين ومن البقر اثنين﴾ (الانعام:۱۴۲،۱۴۴) یعنی اور مویشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے (پیدا کئے) جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، بلا شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (پیدا کئے) آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم، آپ کہئے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہو، تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر سچے ہو۔ اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم''۔

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انعام کا اطلاق اونٹ گائے اور بھیڑ پر ہوتا ہے، چنانچہ امام قرطبیؒ ''بھیمۃ الانعام'' کی تشریح میں رقمطراز ہیں: "والأنعام هنا الابل والبقر والغنم وبهيمة الأنعام هي الأنعام" (تفسیر قرطبی ۱۲/۳۰) ''الانعام'' سے مراد یہاں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہے اور ''بھیمۃ الانعام'' سے مراد انعام ہی ہے، علامہ شوکانیؒ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وفيه اشارة إلى أن القربان لا يكون الا من الأنعام دون غيرها" (فتح القدیر تفسیر سورۃ الانعام) اس میں اشارہ ہے کہ انعام کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی نہیں ہوتی۔ پھر انعام کی تشریح میں فرماتے ہیں: "وهي الابل والبقر والغنم" (فتح القدیر) اور وہ اونٹ گائے اور بھیڑ بکری ہیں۔

جناب نواب صدیق حسن خاں رقمطراز ہیں: ''انعام'' کی قید اس لیے لگائی گئی کہ قربانی انعام کے سوا اور کسی جانور کی درست نہیں، اگرچہ اس کا کھانا حلال ہی ہو۔ (ترجمان القرآن، تفسیر سورۃ الانعام) مزید فرماتے ہیں: ''بھیمۃ الانعام سے اونٹ، گائے اور بکری مراد ہے، جس کی وضاحت اللہ تعالی نے سورہ انعام میں مفصل طور پر فرما دیا ہے۔ (حوالہ مذکور)

مختلف مفسرین کی مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ بھیمۃ الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہیں اور

انہیں کی قربانی کرنی چاہئے، بھینس ان چار قسم کے چوپایوں میں سے نہیں، علامہ سید سابقؒ فرماتے ہیں: "ولا تكون الا من الابل والبقر والغنم ولا يجزى من غير هذه الثلاثة يقول الله سبحانه ليذكروا اسم الله على ما رزقهم من بهيمة الأنعام" (فقہ السنۃ ۳/۲۱۴) قربانی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری کے علاوہ جائز نہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ''وہ یاد کریں اللہ تعالی کا نام اس جانور پر جو اللہ تعالی نے انہیں مویشی چوپایوں سے عطا کیا ہے۔

یہی موقف حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے فتاوی اہل حدیث (۲/۴۲۶) میں اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں: بعض نے جو یہ لکھا ہے "الجاموس نوع من البقر" کہ بھینس گائے کی قسم سے ہے، یہ بھی اسی زکوۃ کے لحاظ سے صحیح ہوسکتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔ البتہ احناف کے یہاں بھینس کی قربانی کی جاسکتی ہے اور یہ ان کے یہاں بقر میں داخل ہے، ہدایہ میں ہے: "ويدخل فى البقر الجاموس لأنه من جنسه" (الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ) یعنی گائے میں بھینس داخل ہے اس لئے کہ یہ گائے کی جنس سے ہے۔

ائمہ اسلام کے یہاں جاموس (بھینس) کا جنس بقر سے ہونا بہر حال مختلف فیہ ہے، اس لیے احتیاط اور راجح موقف یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے اور ایک بات یہ بھی کہ حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہیں تھا، اس کی قربانی نہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہؓ سے۔ اس لیے مسنون قربانی اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری سے کی جائے، جب یہ جانور موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے مشتبہ امور سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆

# تنویر شریعت

فائق بندوی
سنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ، بنارس

دربار میں غیروں کے ہم کو نہیں جانا ہے
دربار الٰہی میں سر اپنا جھکانا ہے

یہ قلب منور ہے تنویر شریعت سے
کعبے کی زیارت سے تقدیر سجانا ہے

اے کاش وہاں جاکر کھو جاؤں تو کیا غم ہے
جس شہر مقدس میں کچھ کھونا بھی پانا ہے

بنیاد ہے اسلامی کل پانچ ستونوں پر
عقبیٰ کے لیے ان کو تعمیل میں لانا ہے

ہیں جتنے ترانے بھی غیروں کے ترانے ہیں
توحید کا کلمہ ہی اپنوں کا ترانہ ہے

تعلیم کی دستک سے ہر مرد وعورت کی
سوئی ہوئی قسمت کو اب پھر سے جگانا ہے

اخلاص ومروت ہے اسلامی شعار اپنا
اسلامی اخوت کی ہر رسم نبھانا ہے

یہ نسخہ بڑھا دے گا فائق تری بینائی
سنت کی شمع اپنی آنکھوں میں جلانا ہے

☆☆☆